عنوان

۷۸۶

ساغر و مینا

۱۳ ھ ۶۸

گو ہاتھوں میں جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے
(غالب)

ابو اللسان مولوی حافظ محمد عبد الرحمن صاحب بسمل سنسہاروی گیاوی کی
منتخب رباعیوں، نظموں اور تاریخی قطعات کا نادر مجموعہ

جسے

منیجر شمسی پریس بجد پوباری روڈ گیا نے شائع کیا

٭٭٭

صلین

اس ناچیز گلدستہ کو اپنے ایک مخلص ترین
دوست جنت آشیانی کے فرزند عزیز مولٰنا
مولوی حاجی محمد قمرالہدیٰ سلمہ اللہ تعالیٰ اشیر گھاٹوی
حال ہڈ مولوی گورنمنٹ اسکول پورلیا ضلع مانبھوم
کے نام نامی کے ساتھ معنون کرتا ہوں۔

من نوشتم صرف کردم روزگار
من نمانم ایں بماند یادگار

ناچیز بسمل
۱۰/ شعبان المعظم سنہ ۱۳۶۸ھ

تعارف

از جناب مولانا حکیم حاجی سید محمد طٰہٰ کمال آل الحسینی الندوی

ادب عربی کی ایک مشہور کتاب "البیان والتبیین" میں شعر کی تعریف یہ ہے۔

الشعر شیٔ تجیش بہ صدورنا فتقذفہ علی السنتنا

شعر وہ چیز ہے جس سے ہمارے سینے جوش میں آتے ہیں۔ پھر اس کو ہماری زبانوں پر پھینک دیتے ہیں

یہ شاعرانہ احساس بعض لوگوں میں فطرتاً ہوتا ہے۔ اور ان کی "حساس قوت مدرکہ" دنیا کی رنگینیوں سے متاثر ہو کر دل آویز نغمات کی شکل میں بہت سے گیت ہمارے لئے بنا دیتی ہے۔ لیکن اگر آپ غور کریں تو ان گیتوں میں ہر موزون و حقیقی کلام صحیح معنوں میں شعر نہیں ہوتا۔ بلکہ صحیح معنوں میں شعر وہ ہے جس پر احمد شوقی امیر شعرا

ناچیز حضرت بسمل کے فنی کمالات۔ ان کی کہنہ مشقی اور ان کے اشعار کے لطف و اثر کا دل سے قدرداں ہے۔ حالانکہ میری خود بینی کا یہ عالم ہے۔ کہ سنہ ۱۳۴۲ھ سے لیکر اس وقت تک تقریباً چھبیس برس شاعری کرتے ہوئے گزر گئے۔ لیکن ابتدائً مدرسہ عزیزیہ بہار شریف میں حضرت شفیع بہاری کو تین غزلیں دکھائی تھیں۔ پھر سنہ ۱۹۳۲ء میں مولانا بینظیر شاہ قادری وارثی، کڑا مانکپوری کو پانچ چھ غزلیں دکھائیں۔ اس کے بعد آج تک دل اس نظریہ پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہے۔ کہ اس راستہ میں شاگردی و استادی فضول ہے۔ کیونکہ

"قبول خاطر و لطف سخن خداداد است"

حضرت بسمل (دام مجدکم) کا نظریہ تلمذ کے معاملہ میں ناچیز کے نظریہ کے برعکس ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ایک رباعی میں فرماتے ہیں

یکتائے زمانہ تھے جو خواجہ عشرت — تھی شعر و سخن میں جن کی کافی شہرت
یہ فیض تلمذ ہے انھی کا بسمل — اللہ منور کرے ان کی تربت

لیکن میں جب یہ دیکھتا ہوں کہ جناب خواجہ عشرت صاحب مرحوم

کے سینکڑوں تلامذہ اس صوبہ میں موجود ہیں۔ لیکن شعر وسخن کے جس بلند مقام حضرت بسمل (دام مجدہ) فایز ہیں دوسروں کو وہ سطح نصیب نہیں۔ تو اپنے نظریہ کیمتیلی بیرالیقین (؟) در پختہ ہو جاتا ہے۔ اور حافظ کا یہ شعر صحیح معنوں میں شعر بن کر اولا مرے سینہ میں جوش زن ہوتا ہے۔ پھر اس طرح زبان پر جاری ہو جاتا ہے ؎

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ
قبول خاطر و لطف سخن خدا داد است

مقبولیت کے لحاظ سے صوبہ کے مشہور شعراء کی صف اوّل میں حضرت بسمل کو نمایاں جگہ حاصل ہے۔ وہ فارسی ادب میں نہایت اعلیٰ استعداد کے مالک ہیں۔ اور اردو زبان کے معائب و محاسن پر جسطرح تمام باکمالوں کی ناقدانہ نگاہ ہوتی ہے۔ حضرت بسمل کی نظر بھی کسی سے کم نہیں۔ بلکہ ان کی جیسی ہستیاں ہمارے صوبہ میں معدودہ چند ہی ہیں۔ خدا ان کے ادبی فیوض و برکات سے نوجواں کو متمتع فرمائے۔ آمین

صرف رباعیاں موزوں کر لینا ہی کہنہ مشقی کا اعلیٰ ثبوت سمجھا جاتا ہے

میں یہ اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا ہوں۔ بلکہ غالب نے حالی کو یہی لکھا تھا اور اگر رباعیاں نتیجہ خیزی کے اعتبار سے انسانی زندگی کے فلسفیانہ نکات پر مشتمل ہوں۔ تو پھر وہ شاعر کے فنی کمال کیلئے برہان قاطع اور دلیل ساطع ہیں۔

میں آپکے ذوق سخن سے اپیل کروں گا کہ آپ حضرت بسمل کی رباعیوں پر انصاف کی نظر ڈالیں۔ اور ان رباعیوں کو اسی ترازو میں تولیں۔ جس میں صوبہ کے موجودہ مشاہیر شعرا کی رباعیوں کو آپ تولتے ہیں۔ پھر انصاف سے فیصلہ کریں کہ پلہ کس کا وزنی ہے

ذیل کی رباعیوں میں ادائے مفہوم جس "استادانہ طرز" پر کیا گیا ہے۔ وہ تمام اہلِ سخن کی نظر استحسان کو دعوت مطالعہ دیتا ہے

(۱)

دو دم پہ ہے موقوف قیام ہستی
اک دم میں بدلتا ہے نظام ہستی
پیری میں ہوئی کمر خمیدہ بسمل
جھکوا ہے آخری سلام ہستی

معمورۂ ہستی میں ہے ویرانی بھی — جمعیت خاطر بھی پریشانی بھی
کہتی ہے یہ دنیا کی دورنگی بسمل — قبضہ میں مرے آگ بھی ہے پانی بھی

ہندوستان کے تقریباً اکثر ادبی رسالوں اور اخباروں میں حضرت بسمل کی نظمیں اور غزلیں طبع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کرتی رہی ہیں۔ اسلئے ضروری تھا کہ ایسے باکمال شاعر کا کوئی مجموعۂ کلام جلد شائع کیا جائے۔ جو ایک طرف ان کے کمالات کی درخشاں یادگار رہے اور دوسری طرف اردو کے سرمایہ میں مفید ترین اضافہ ہو۔

اردو کی ادبی مجلسوں میں یہ روایت بہت مشہور رہے کہ سر تیج وار دو کی دائمی بقا کے قایل تھے۔ اور اقبال کا مندرجۂ ذیل شعر پڑھ کر کہتے تھے کہ ایسی طاقتور زبان کو جس میں ادائے مفہوم کے لئے اتنی بے پایاں قوت ہو۔ دنیا کی کوئی ظالم سے ظالم حکومت بھی نہیں مٹا سکتی۔ اقبال مرحوم کا وہ شعر قرطبہ کی مسجد سے متعلق حسب ذیل ہے۔

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں — خاموش اذانیں ہیں تری بادِ سحر میں

ادائے مفہوم کے سلسلہ میں اردو زبان کی بے پایاں قوت کی اعلیٰ مثال اکبر الہ آبادی مرحوم نے بھی قایم کی۔ استعمال قوافی، تخلیق قوافی اور بے معنی الفاظ کو معنی دار بنا دینا اکبر مرحوم کا خاص کارنامہ ہے۔ دیکھئے وہ ذیل کے شعر میں شبلی کا قافیہ کس طرح پیدا کرتے ہیں اور ایک بے معنی لفظ کو معنی دار بنا دیتے ہیں:۔

میں نہیں جانتا قبلہ قبلی ۔۔۔ صاف لکھتا ہوں کہ بھائی شبلی

انگریزی الفاظ کو اردو نظم میں مصلحانہ ظرافت انگیزیوں کے ساتھ استعمال کرنا بھی اکبر کا قابل یادگار کارنامہ ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا ۔۔۔ پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے ۔۔۔ شاہ ایڈورڈ کی دُہائی ہے

اکبر مرحوم کے اسی رنگ میں ہمارے مکرم حافظ (لسبیل) صاحب نے بھی نظموں اور رباعیوں میں اپنی کہنہ مشقی کے جوہر خوب خوب دکھائے ہیں چنانچہ حالات حاضرہ کے پیش نظر ان کی یہ رُباعی مجھے خوب ہی پسند آئی اور میں قوی امید رکھتا ہوں کہ ہر ذوق سلیم رکھنے والا اس رُباعی سے

قطعۂ تاریخ مع تقریظ

از محبی و مخلصی ابونصر حافظ محمد عبدالاحد صاحب مشفقؔ بشیر گھاٹوی
خطیب مسجد کبڈیہ ضلع گیا

حمد ہے غازۂ عروسِ سخن　　نعت سے نظم کا سجے گلشن
کیوں نہ گلہائے طبعِ رنگیں سے　　آج گلچیں کا بھر دل میں دامن
کیا عجب گرمیٔ سخن سے مری　　خاک ہو جل کے حاسد و دشمن
گل نے اپنا لباس بدلا ہے　　بلبلیں ہیں چمن میں خندہ زن
مخلص و محترم اخی سعید　　یعنی خورشید آسمان سخن
شاعرِ بے مثال و خوش گفتار　　ناثرِ بے عدیل و ماہرِ فن
منبعِ فیض حضرت بسملؔ　　ظلِ رحمت ہو ان پہ سایہ فگن
نغز گو نکتہ سنج و سحر بیاں　　کامل و اکمل و محقق فن

خوب ہی لطف اندوز ہوگا۔

قائم جو ہوا ملک میں سیکولر اسٹیٹ | دامن کو لیا شیخ و برہمن نے سمیٹ
آنے لگی یہ دیر و حرم سے آواز | مذہب کو سیاست نے کیا ملیامیٹ

زیر نظر مجموعہ کے علاوہ حافظ (بسمل) صاحب کا غیر مطبوعہ دیوان اور نظموں کا غیر مطبوعہ مجموعہ (جس میں تاریخ گوئی کی نہایت ہی فائدہ بخش چیزیں اُدبا کے لئے ہیں) میں نے دیکھا اور میرا پر زور مشورہ ہے کہ ان چیزوں کو بھی زیور طبع سے آراستہ کرکے اردو کے سرمایہ میں مفید اضافے کئے جائیں۔

سردست حضرت بسمل کا یہ مجموعۂ کلام صحیح معنوں میں حافظ شیرازی کے حسب ذیل شعر کا مصداق ہے

حافظ سخن بگوے کہ در صفحۂ جہاں | این نقش ماند از قلمت یادگار عمر

اور عاجز کی اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ "این نقش (مع دیگر نقوشہا) ماند از قلمش یادگار عمر"

ع این دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد!

حکیم محمد طٰہٰ کمال الحسینی الندوی۔ آبگلہ۔ گیا

۷؍ اگست ۱۹۴۹ء

چشم بد دور قابلیت میں — ناز کرتے ہیں ان پر اہلِ وطن
گرچہ مدت سے ہیں گیا میں مقیم — سُنتہاری ہے مولد و مسکن
ان کے اوج کمال کے آگے — کیوں نہ جل بھن کے خاک ہوں دشمن
ہر سخن عیب سے مبرا ہے — کہ سلف کے ہیں یادگار کہن
ان کے دم سے ہے آجتک جاری — عشرتِ لکھنوی کا فیض سخن
کیوں نہ کہدوں میں صاف لفظوں میں — فخر استاد و افتخار زمن
واہ وا کیا سخن میں ہے اعجاز — دل ما شاد و چشم ما روشن
ہے یہ مجموعۂ کلام ان کا — یا مرصع ہے سلک دُرِّ عدن
المسمیٰ بہ "ساغر و مینا" — جس میں لبریز ہے شراب سخن
چھپتے ہی یہ رسالۂ نادر — ہوا مطبوع طبع اہلِ سخن
گل صد برگ کے ہیں تازہ پھول — یا کھلا ہے رباعیوں کا چمن
ہے مناسب اگر اسے کہئے — گل گلدستۂ ریاضِ سخن

نظر افروز ہے بہار اس کی ۔ خوب پھولا پھلا ہے یہ گلشن
نظم و قطعات کے جواہر سے ہے دُرِ بے بہا کا یہ مخزن
اب یہ شمسی پریس میں چھپ کر صورت آفتاب ہے روشن
کور چشموں سے کیا غرض ہمکو قدر اس کی کریں گے اہلِ سخن
نگہہ شوق سے وہ دیکھیں گے جن کے دل میں ہے کچھ بھی قدر سخن
تازیانہ ہے معترض کے لئے یاد رکھے اگر مرا یہ سخن
فاش پردہ ہوا زلیخا کا چاک یوسف کا جب کیا دامن
ہنس پڑیں کھکھلا کے سب کلیاں مسکرایا جو کوئی غنچہ دہن
حبذا مرحبا جزاک اللہ نام اوستاد کا کیا روشن

عیسوی سال کہہ دوائے مشفق

اوج پایہ بہار باغِ سخن

۱۹ ۶ ۴۹

اعتذار

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

زیر نظر مجموعہ تقریباً ڈھائی سال سے ترتیب دے کر پریس کے حوالہ کر دیا گیا تھا۔ مگر انقلاب زمانہ سے جس طرح دنیا کی ساری چیزیں اثر پذیر ہو رہی ہیں اسی طرح پریس کا انقلاب بھی اس کی اشاعت پر اثر انداز ہوا۔ اور اپنا پریس ہوتے ہوئے بھی غیر معمولی تاخیر کے باعث احباب کرام اور مشتاقان سخن کو کافی انتظار کی زحمت گوارا کرنا پڑی۔ بہر کیف کارکنان پریس کا احسان ہے کہ جلد یا بدیر۔ اچھا یا برا جیسا بھی ہوا شائع تو کر دیا۔ یہی غنیمت ہے۔

ناچیز بسمل

۲۵ اپریل ۱۹۵۶ء

رُباعیات

شمسی پریس بارِ ڈی وُڈ محلہ گھسیا ٹولہ گیا

قیمت فی جلد مجلد عہ/ غیر مجلد عا/

نذیر

گلشن کا تیری ہی دی ہے پھولوں کی مہک
ذروں میں ہے خورشید درخشاں کی چمک
وہ نور جو ہے چشم خلائق سے نہاں
جلوہ ہے اُسی کا از سما تا بہ سمک

۱

زیب

بندہ ہوں کسی کا اور نہ آقا ہوں میں

رشتۂ دیر و حرم سے وابستہ ہوں میں

یہ سب کی لیکن نہیں ناگوار

راضی بہ رضائے حق تعالےٰ ہوں میں

۲

یارب
اُسکے آگے نہیں بس بیٹھے ہم
لیکن نہ ہوا آپ کا کوئی ہم
اب کیا کوئی آسکے گا خود تم رس
رخصت ہوتے لا نبی بھلا کے ہم

۳

رباعیات

بندوں میں ذلیل و خوار و رسوا ہوں میں
ہیچوں میں کمترین و ادنیٰ ہوں میں
لیکن یہ شرف میرے لیے کیا کم ہے
تاہم غلام شہ بطحا ہوں میں

۷

رب اشرح لی
صدری و احلل عقدہ من لسانی

روشن مرے دل میں نور ایماں ہو جائے
سینہ مرا گنجینۂ عرفاں ہو جائے

یارب مرے نطق میں وہ جوہر ہو عطا
اقلیم سخن تابع فرماں ہو جائے

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ

محشر میں ہو کس طرح مرا بیڑا پار

کہ اپنے گناہوں کی نہ حد ہے نہ شمار

رحمت سے تری مگر نہیں ہوں نومید

اللہ ترا فضل و کرم ہے درکار

ساقی الست کا تھا

مخمور نشۂ الست کر دے ساقی
جام عرفاں سے مست کر دے ساقی
باطل کی طرف بھول کبھی نہ جاؤں
ایسا مجھے حق پرست کر دے ساقی

۲

ساقی مجاز سے التجا

لب تشنہ ہوں اک جام پلا دے ساقی
دل میں ہے لگی آگ بجھا دے ساقی
اٹھتی ہے چلی آتی ہے گھنگھور گھٹا
خم بادۂ گلگوں کا لنڈھا دے ساقی

٢

ساقی مجاز سے التجا

دو گھونٹ میں مدہوش بنادے ساقی
ہاں ہاں وہ مئے ہوشربا دے ساقی
اک بوند کو مدت سے ترستے ہیں رند
صحنِ ترسے آج انکو چھلکا دے ساقی

کثرت

باران رحمت باعث زحمت بن گئی

اب تو ہے بلائے آسمانی پانی

تھا وجہ بقائے زندگانی پانی

تھمتی نہیں دم بھر کے لیے چشم پُر آب

اشکوں سے تو دنیا ہوئی پانی پانی

۱۰

جوانی میں تقویٰ

کٹھن ہے جوانی بھی ہری کیا واللہ
الفت ہو بتوں سے نہ حسینوں کی چاہ
یہ جوش شباب اور یہ تقویٰ یہ عمل
لا حول ولا قوۃ الا باللہ
||

ہر کس بخیال خویش

رکھتا نہیں میں دل میں کسی سے کد
حاشا کہ مرے سینہ میں ہے کینہ نہ حسد
حاسد جو کرے رشک تو کیا غم بسمل
ہر کس بخیال خویش خبطے دارد

۱۲

عیش و عمر فانی کی ہوس

مفلس کو ہے عیش و کامرانی کی ہوس
منعم کو حیات جاودانی کی ہوس
جب ایک ایک دن ہے عمر نا برق
بیکار ہے عیش و عمر فانی کی ہوس

۱۳

بے زبانی زباں ہے گویا

بیتیں کہ قصہ خوانی میری

غیروں کی داستاں کہاں زبانی میری

کہ یہ تیری نے

سب ارے عیاں سے زبانی میری

کہ باب زبان سے زبانی میری

۱۲

بازارِ جہاں میں نقد سودا کر لے
سامانِ سفر کا سب مہیا کر لے
اللہ نے بخشی ہے اگر عقلِ سلیم
لازم ہے کہ اشترائے عقبیٰ کر لے

۱۵

دنیا رنگِ طلسمات ہے

عالم بھی عجب طرح کا کاشانہ ہے
یہ رنگِ طلسمات پری خانہ ہے
کھلتا نہیں کچھ راز کسی پر بیدل
حیران ہر اک عاقل و فرزانہ ہے

۱۲

عدم کی منزل

جمال انساں مرے سے پنجابی

کیوں زینت پیمانہ ہو اک پیر جواں

کیوں زینت پیمانہ ہے جنس دانشوراں

دنیا میں بشر سے ہے دشوار

بنتا ہے اگر منزل عمل سے

ہے پنجۂ ایمان انساں

۱۰

خیر مقدم

اے دیدن تو باعث دل شادی ما
گلزار شد از مقدم تو وادی ما
کردی دل ویرانۂ ما را آباد
"اے آمدنت باعث آبادی ما"

۱۸

الفت کی کشش

اچھی نہیں ہوتی ہے طبیعت کی کشش
کمبخت بری ہوتی ہے الفت کی کشش
میں اور یہ محفل سخن کی شرکت
لے آئی یہاں کھینچ کے حسرت کی کشش

محمد حسرت شاہجہانپوری

۱۹

پیری اور جوانی

پیری میں جوانی سی وہ اب بات نہیں
وہ ربط بتوں سے وہ ملاقات نہیں
کہتی ہے یہ بالوں کی سفیدی بیکل
بیدار ہو اب صبح ہوئی رات نہیں

٢٠

سو دن جیے کیسے

یاروں کی یہ خواہش ہے کہ سو دن جیے

پل اپنا کٹے تہمت سے تباہ ہے

اک پل سے کریں رنگ جو سب مل کے لباس

جو چیز کہ کل تھی ہو وہ آج ہے

۲۱

۶ ۱۹۲۱

پیری میں نوجوانی کا خیال

بلبل یہ خزاں میں نغمہ خوانی کیسی
گل ہی نہ رہا تو گل فشانی کیسی
پیری میں خیال نوجوانی کیسا
توبہ توبہ، یہ لن ترانی کیسی

۳۲

گلشن کی پامالی

گلشن میں عجب طرح کی پامالی ہے
وہ گل نہ وہ گلگشت نہ وہ مالی ہے
بستی تھی جہاں لالہ و نسرین کی بہار
صرصر نے وہاں کی خاک اڑا ڈالی ہے

۴۳

اجل گھات میں ہے

کیا محو تو دنیا کے خیالات میں ہے
اس عمر دو روزہ کی موالات میں ہے
کھول آنکھ ذرا یہ خواب غفلت کب تک
ہشیار ہو ہشیار اجل گھات میں ہے

ترکِ موالات

یا ہم اپنے حریفوں سے مواسات کریں
یا قیدِ الم میں بسر اوقات کریں
ہر طرح سے بس میں ہیں یہ ان میں سے اسہل ہم
بس ان میں یہ کیا ترک موالات کریں

۱۹۲۰ء

۲۵

آمد بہار

کیا مژدۂ جاں بخش صبا لائی ہے
ہر شاہد گل محو خود آرائی ہے
ہر رنگ کے پھولوں سے لدی ہیں شاخیں
چوٹی کی دلہن بن کے بہار آئی ہے

دنیا کی دورنگی

معمورۂ ہستی میں ہے ویرانی بھی
جمعیتِ خاطر بھی پریشانی بھی

کہتی ہے یہ دنیا کی دورنگی بسمل
قبضہ میں ہے آگ بھی ہے پانی بھی

زردار
دانا و ہشیار کہا جاتا ہے

زیباس ہو جسکے ہے وہی اہل شعور
دانا ہے وہ، جو عقل سے ہو وسوسوں دور
بسمل ہے زمانہ کی عجب الٹی چال
"برعکس نہند نام زنگی کافور"

۲۸

فکر مآل

دو روز کی زندگی ہے اس پہ یہ حال
سو طرح کے ہیں بشر کے سر پہ جنجال
پیری کی ہوس میں یہ مرا جاتا ہے
افسوس کہ کچھ بھی نہیں فکر مآل

۲۹

مرنے سے ڈرنا

انساں کو اجل سے خوف کرنا کیا
مرنا ہے تو پھر مرنے سے ڈرنا کیا
نادان ہیں جو رکھتے ہیں جینے کی ہوس
دو روز کی زندگی پہ مرنا کیا

دولت دنیا

کیا وہ دولت دنیا پہ مرے اے غافل
ہے جسے کو اس دور فنا ہے غافل

آج تیرے پاس ہے تو کل اور کسی کے پاس
یہ کسی کا نہ ہوا ہے غافل

۱۳۴

طفلی، شباب اور پیری

طفلی تھی پناہ سب گناہی کے لئے
کمبخت شباب آیا تباہی کے لئے
پیری کی یہ ظلمت کہ ملال کا غضب
کالے سے کئے بال روسیاہی کے لئے

۴۳

گھنگھور گھٹا

اُٹھی ہے گرجتی ہوئی گھنگھور گھٹا

دنیا میں مچی ہے اُن ہوئی آگ تو گھٹا

کہتے ہیں اب سرد ہوا کے جھونکے

ہم جیسوں کا دیں گے ابھی زور گھٹا

کالے بادل

پھیلے ہیں فلک پہ جو کالے بادل
کالی پلٹن کے ہیں رسالے بادل
کیا جانیے کس سمت چلے ہیں ان کو
ہاتھوں پہ لیے برق کے بھالے بادل

اونچی دوکان پھیکا پکوان

ہر چند کہ اونچی ہے دکان ہستی
پھیکا ہے مگر نعمت خوان ہستی
واللہ کوئی بھی نہ بشر سیر ہوا
بھوکے ہی رہے یہ میہمان ہستی

۳۵

بہار ہستی دو دن کی مہمان ہے

اے شیفتۂ نقش و نگار ہستی

دلدادۂ رنگ گلشن زار ہستی

فانی چمن زیست کا ہے حسن و جمال

دو دن کی ہے مہمان بہار ہستی

۳۶

جوانی کی بہار رُت جاتی

اے شیفتۂ حسن و جمال مستی
دلدادۂ نقش خد و خال مستی
لٹ جائے گی جب باغ جوانی کی بہار
پامالِ خزاں ہو گلستانِ مستی

۳۹

ہر سانس کو کوچ کا پیغام دیتی ہے

ساجن عشق کی شراب مدام مستی

دم بھر میں چھلک جائے گا جام مستی

ہر سانس صدا دیتی ہے بن کر گھڑیال

ہے کوچ کا پیغام قیام مستی

۳۸

پیری میں کمر خمیدہ کیوں اے قیامِ ہستی

دو دم پہ ہے موقوف اب نظامِ ہستی

آکر مرے سر پہ بار ہستی جھک دبیل

پیری میں یوں کمر جھکی ہے کرتا ہوں آخری سلامِ ہستی

۳۹

سُراغِ ہستی

ہے بس کہ نظر فریب باغِ ہستی
پُر ہے مے رنگیں سے ایاغِ ہستی
لاکھوں ہیں اس کی جستجو میں حیراں
پایا نہ کسی نے بھی سُراغِ ہستی

۸۰

سرو باغ ہستی
کہتے ہیں تجھے بہار باغ ہستی
مانا کہ تو ہے چشم و چراغ ہستی
جب جسم ترا خاک میں مل جائیگا
کچھ بھی نہ ملیگا پھر سراغ ہستی

۳۱

ایک دم میرے چراغ ہستی گل ہو جائیگا

پامال خزاں ہوگا یہ باغ ہستی

ناداں ہیں جو رکھتے ہیں دماغ ہستی

چل جائینگے جب باد اجل کے جھونکے

ہو جائیگا گل دم میں چراغ ہستی

۳۲

شاہوں پہ
اپنا بعد زمین خراج ہستی تھی لیکن

اے صاحب ملک و تخت و تاج ہستی
ہر سینۂ زمیں پہ لگی خراج ہستی

تو کب سے اسی میں پھر رہا ہے
ہے روز ازل سے یہی رواج ہستی

۳۳

معلوم ہے جب کہ ہے مآلِ ہستی
بیکار ہے بیکار خیالِ ہستی
ہونے کو ہے نابود کسی دن یہ وجود
آجائے گا آخر کو زوالِ ہستی

۴۴

کہاں ہستی

بجا حسن عمل یہاں کمال ہستی

الٰہی نیکیاں تو ہے زوال ہستی

جب نہ جی میں سمجھ سونپ اپنا

کام آئے گا کیا مال و منال ہستی

۲۵

قرین نہیں امتحان و لیکن

مانا کہ ہے تو ترزیبان ہستی

کہتے ہیں تجھے سب ہمہ دان ہستی

پر میں کرینگا کل تیرین سوال

ہو جائیں سرے امتحان ہستی

۳۶

بارش کیلیے مخلوق کی پریشانی

مخلوق ہے بارش کیلیے دیوانی
خشکی نے کیا سب کا کلیجہ پانی
سنتا نہیں کمبخت کسی کی فریاد
واں ہے فلک سے نہیں آتا کانی

باران رحمت کا اثر

بارش کا زمیں پہ جب نہ پانی آئے
کیا خاک طبیعت میں روانی آئے
گھل کر جو برس جائے یہ گھنگھور گھٹا
بوڑھوں میں نئے سر سے جوانی آئے

۴۹

"بنام کنندہ نکو نامے چند"

کب ہم سخن سخنوروں میں پیوند

محفل میں نہیں بات کا موزوں پیوند

بس یہ تسلی اتنی ہے مجھ کو صادق

"بنام کنندہ نکو نامے چند"

جنگی باتوں

اللہ رے یہ انقلاب یہ جنگ کا زور
توپوں کی گرج بموں کے پھٹنے کا وہ شور
رہ رہ کے ہر انسان سے کہتی ہے قضا
چھپ چھپ کے سرنگ میں ہو زندہ درگور

۱۹۴۱ء

ذیل کی چار رباعیاں دوران جنگ کی ہیں جب ایک طرف جرمنی اور دوسری طرف جاپان ہندوستان پر حملہ کی تیاریوں میں مشغول تھے

وطن کی حفاظت

اللہ رے یہ مصیبت کہ جنگ و قتال
معلوم نہیں کہ اس کا کیا ہو گا مآل
مل جل کے حفاظتِ وطن پر تل جاؤ
لازم نہیں اس وقت میں قوموں کا سوال

۱۹۴۱ء

۵۱

ہمت کا حامی خدا ہے

مانا کہ ہو تم لائق پیکار نہیں
ہاتھوں میں سپر، قبضہ میں تلوار نہیں
اس وقت حفاظتِ وطن کا ہے سوال
ہمت سے جو کام لو تو دشوار نہیں

۲۱-۹-۶۱

۵۲

وطن خطرہ میں ہے

جھیلو گے غم و رنج و مصیبت کب تک
کہلاتے رہو گے پست ہمت کب تک

اٹھو اٹھو! وطن کا اب خیر نہیں
جاگو جاگو! یہ خواب غفلت کب تک

۲۱ ۹ ۶۱

۵۳

یہ قہر خدا ہے

اک مولوی نے بات کہی یہ معقول
غافل ہے سبق طیر ابابیل نہ بھول
یہ قہر خدا ان پہ جو نازل ہوگا
ہو جائیں گے یہ جیسے کعصف ماکول

دوسری جنگ عظیم کی فتح و شکست

ہٹلر ہے اُدھر شکست کھا کر بددل
نازاں ہیں اِدھر فتح پہ مسٹر چرچل
اس فتح و شکست میں جو ہے راز نہاں
تفہیم مشکل ہے وگرنہ تفہیم مشکل "

گرانی سے بیزاری

دنیا میں وہ عیش و کامرانی نہ رہی
وہ بزم نشاط و شادمانی نہ رہی
ایسا بھی الٰہی پھر وہ دن آئے گا
سب لوگ کہیں یہ گرانی نہ رہی

۵۶

خونِ انساں کی ارزانی

پھیلی ہوئی دنیا میں پریشانی ہے
اک ضیق میں اب حیاتِ انسانی ہے
ہر جنس گراں سے بھی گراں تر ہے آج
انساں کے لہو کی صرف ارزانی ہے

دوران جنگ میں وہ جو تھی کثرت

ایسی نہ تو تھی باہمی دنیا گلزار

دریا گلزار، کوہ و صحرا گلزار

رونق ہے سوا شہر بازاروں میں

شکر ہے کہ آج چپہ چپہ گلزار

۵۸

بت خود بیں کو نہ بات نہ سلام

کرتا ہے جو کچھ کسی سے کلمہ نہ کلام

کیوں سجدہ کرے اسکو کوئی صبح و شام

ہاتھوں سے سلام سے نہ منہ سے بولے

ایسے بت خود بیں کو مرا بات سلام

مجرموں کا عروج

کم ظرف ہیں اس دور میں عزت والے

محکوم جو تھے اب ہیں حکومت والے

عیار و سیہ کار تو زردار ہیں آج

کنگلے ہیں ایمان کی دولت والے

۹۰

چینی کی کہانی

چینی کہ جو ہیچ کا معیار رہا
پیتوں کا گھر اب مصر کا بازار رہا
گاہک کی یہ کثرت کہ آئی تو یہ
ہر شخص سے یوسف کا خریدار رہا

۱۸

ے صوبہ بہار میں شکر کو چینی کہتے ہیں

لنگروں کی برکت

نعمتیں دنیاوی دینی مل جائے
مانگیں جو خیرات وہ یقینی مل جائے
بازاروں میں لنگروں کی برکت سے
ممکن نہیں اک چھٹانک جنس مل جائے

۹۳

مشق کا حق نہ ادا ہو رہا ہے ہیں

پھر سے جو غریبوں کے چلنسار بنے

زرداری سب سے بڑھ کے اقتدار بنے

کھوا کے سب اپنا اثر سے دوچار

اوروں کے توسط سے خریدار بنے

۵ اسٹینڈر کلاتھ

۶۳

اہلِ ہمّت کا فقدان

دنیا میں کہاں ہیں اب وہ ہمّت والے
کہنے کو تو ہوں بہت ہیں قوت والے
کیا لیں گے بھلا وہ فاقہ مستوں کی خبر
خود بادۂ نخوت سے جو ہیں متوالے

۲۴

کاغذی ناؤ

غلوں کا کسانوں کے گھر میں انبار
نیتوں پہ ہے کنٹرول کا بھوت سوار
گر آج نہ ڈوبے گی تو کل ڈوبے گی
جس کاغذی ناؤ پہ ہیں سرمایہ دار

اسلام خطرہ میں ہے؟

جو کہتے ہیں خطرہ میں پڑا ہے اسلام

اسلام نہیں ور سے کہتا ہے سلام

خطرہ میں ہیں خود شامت اعمال سے وہ

اسلام کو کرتے ہیں ناحق بدنام

آجکل کی شاعری

کیا ہو کوئی شعر و شاعری سے خرسند
سُنتا نہیں کوئی خوشدلی سے دوبند
ہیں دادِ سخن تو دینے والے کمتر
"بدنام کنندۂ نکونامے چند"

٦٧

آنانکہ غنی ترانند محتاج ترانند

اک صاحبِ ثروت نے مجھے دی یہ پند

پایا ہے اگر سے کہیں کفایت پسند

میں نے یہ کہا قبلہ ہو تقصیر معاف

"آنانکہ غنی ترانند محتاج ترانند"

رشوت کی گرم بازاری

رشوت کا ہے گرم آج ایسا بازار
باتوں کا جواب بھی پیسا ہے آدھار
نقدی کے بغیر کوئی سنتا ہی نہیں
سنتے ہیں لالہ کہا ہے حضور اور سرکار

۷۹

ابجد خرابیہ یافتہ حسن

بدلا ہے زمانہ کا عجب آج نظام

ہیں بام عروج پر سبھی پست اقوام

اونچے عہدوں پہ وہ نظر آتے ہیں

اسلاف رہے جن کے غلام ابن غلام

کلغی پہ یہ نام محمد فاضل

دو قمر جب سے آل محمد ان پہ جمال

پڑھ کے سب رسول عربی کے دین میں کمال

اس وہی سب شرف انبیاء و اولاد کا حال

کلغی پہ یہ نام محمد فاضل

۷۱

راشن سے غ

غلّے جو ملا زنوں کو راشن سے

سو فی صدی ان پہ لگے تھے اور سے

سوراج سے کھیت کی یہ سب پیداوار

بیتا عجب انداز سے بولا منشی سے

۲۷

انگریز سوراج کو گھن کا لڈو بنا کر گئے

انگریز بھی کمبخت عجب تھے چھل

دے کر گئے ناقص ہیں سوراج کا پھل

پھل بھی عجب پھل ہے کہ جس کو کھا کر

ہر شخص ہوا اسی غرض میں پاگل

۱۳

دوکانِ اُردو ہر جنس سے بھری پڑی ہے

ہر جنس سے ہے بھری دوکانِ اُردو

ہے شش فن القمر ہے نعت خوانِ اُردو

ترکی، عربی، فارسی، انگلش بھاشا

لاریب سب ہیں میہمانِ اُردو

۴۵

بے زباں و خود سروں کی فوج
بازار میں دریوزہ گروں کی یورش
گندے نالوں میں مچھروں کی یورش
کانوں میں بھری ہوئی ہے بے سُری فوج
ذہنوں میں ہے گنجے خود سروں کی یورش

بھارت کے گوشے گوشے میں اردو وطن ہے

کل کہتا تھا اک شریف خوانِ اردو
بھارت سے چلی اب تو زبانِ اردو
میں نے یہ کہا اس کا نکلنا ہے محال
ہر گوشے میں ہے مکانِ اردو

۲۶

سپاہی کی بیٹی

جتنا ہی مٹائیں گے نشان اردو

بڑھتی ہی چلی جائیگی شان اردو

وہ بچی نہیں یہ اپنے ہم جنسوں کی

بیٹی ہے سپاہی کی زبان اردو

سہا

مشغول اور معزول

اس عمر کو دی ہیشہ بعلم ہی کاٹ
قبضہ میں ہیشہ ہی فوج اراکاٹ

معزول ہوئے نواب یہ معلوم ہوا
چالیس برس تک ہے دوئی آرکاٹ

زمانۂ شباب کا افسوس

یہ غم نہیں ہے کہ اب جوانی نہ رہی
وہ لطف شباب و کامرانی نہ رہی
پیری کا بھی غم تو کروں سے ازانہ
افسوس تو یہ ہے کہ زندگانی نہ رہی

۹۵

جنتا کی چیخ و پکار او بھارت سرکار

کرتا ہے ہر چند کوئی چیخ پکار
دھرتی نہیں کان اس پہ حکومت زنہار

آسودہ ہے ملک اور جنتا خوشحال
جگ جگ جئے ہماری بھارت سرکار

۸۰

سیکولر اسٹیٹ کا اثر

قائم جو ہوا ملک میں سیکولر اسٹیٹ ۵
دامن کو لیا شیخ و برہمن نے سمیٹ
آنے لگی یہ دیر و حرم سے آواز
مذہب کو سیاست نے کیا ملیامیٹ

۸۱

۵ لادینی حکومت

وطن اور سفر

انسان کو ہمیشہ کام کرنا ہے سفر
بیشک ہے سفر وسیلۂ فتح و ظفر
لیکن جو وطن دوست ہیں کہتے ہیں
"حب الوطن از ملک سلیمان خوشتر"

۸۳

حب الوطن من الایمان

بلبل کو گوارا نہیں دوری چمن
بیگانہ ختن چھوڑ کے آہوئے ختن
انسان کو کیوں نہ ہو وطن سے الفت
ایمان کا ایک جزو ہے حب وطن

وفاداری پہ بے وفائی کا الزام

اغیار سے یاری ہے ہمیں جنگ و جدال

کھولوں جو زباں بھی تو یہ نہیں اپنی مجال

اس پر بھی ہیں وہ میری وفا سے منکر

"من درچہ خیالم و فلک درچہ خیال"

۸۴

چشمہ کا پانی

چشموں سے ابلتا ہوا ہلکا پانی
کیا خوب ہے قدرت کے وہ نل کا پانی
لذت میں لطافت میں حلاوت میں کہاں
نلکا ہے جو یہ آج کل کا پانی

سائنس کا اعجاز

اس دور میں سائنس کا ہے یہ اعجاز
انسان کی ہے دوش ہوا پہ پرواز
گھر بیٹھا ہوا دور کی لاتا ہے خبر
سنتا ہے زمیں پہ آسماں کی آواز

۸۶

حسن اخلاق

ہو خلق و مروت کا نہ جس میں الحاق
انسان کا ہوتا نہیں اوس پر اطلاق

ہر شے کے پرکھنے کیلئے ہے معیار
انسان کا معیار ہے حسن اخلاق

۸۲

کسی که بود بلا را امیر کرس و ره پیرست

بنور دل دوراست

بالغتری بس ستانیدو کیای دوردست

بینیب کیانی سی قیامت گزیب

بیکس ولا بیتو دل دوراست

۸۱

لوہے کا چنا

کھانا نہ ملے تو کیا بھرتا ہے پیٹ

انساں کو ذلیل و خوار کرتا ہے پیٹ

کیا پوچھے فرزند و رجفاکش کا حال

سب کچھ جیتا کہ بھرتا ہے پیٹ

۸۹

وطن میں اہلِ کمال کی عزت نہیں ہوتی

سچ ہے کہ وطن میں نہیں کچھ قدرِ کمال
گو اہلِ کمال ہیں وطن میں خوشحال
بازار میں نکلے تو بکے ہاتھوں ہاتھ
گلشن میں جو گل ہے سب کے ہے وہ پامال

۹۰

شگفتگانِ چمن سے خطاب

کیا زمانہ تھا جب اس سال یہ اعلان ہوتا تھا

کیوں چپ سی لگی ہے نہ اب ہوتا تھا

اس سال میں تو گزاری تم نے بھی

پھیکی تو ہے سب سے ہم نوا

۹۱ ۱۰

دورِ انحطاط میں بہار بھی خزاں معلوم ہوتی ہے

اب حوصلے باقی نہیں دل کے اندر
ہر دور نظر آتا ہے بد سے بدتر

کیا خاک کسے دل اب پئے حسن کی بیلا
اس عمر کی دیکھی ہیں بہاریں ستّر

۹۲

مسئلۂ گاؤ زباں

تھی نہ کبھی ہمارے پاس اک زباں
لیکے تو حکومت سے نہیں گوشت گراں
ہو جائے نہ ارزاں دم الاخوین کہیں
اچھا وہی ہے مسئلۂ گاؤ زباں

۹۳

مغنیا مغنی

یادِ ماضی میں بیٹھے آنسو نہ بہائیں

پچھلی باتوں کو یکقلم دل سے مٹائیں

مضمر ہے اسی میں ملک و ملت کی فلاح

آپس میں گلے شیخ و برہمن مل جائیں

ہندو مسلم بھارت کے سپوت ہیں

یہ کشمکش شیخ و برہمن تا چند

مل جل سے کریں ملک کا اب نام بلند

ایسا ہو کہ اب ساری دنیا کہے

بھارت کے سپوت ہیں یہ دونوں فرزند

ہندوستانی اور پاکستانی نوجوانوں سے خطاب

سن لیں اے ہندی ہوں یا پاکستانی
اچھی نہیں آپس کی یہ کھینچا تانی
سیلاب تعصب سے رہیں یہ ہشیار
ہو جائے نہ اونچا کہیں سر سے پانی

۹۶

مجنوں بنا دیا ہے تو نے مجھے ستمگر
تیرے ستم سے حالت اپنی ہوئی ہے ابتر
افسوس! کوئی اپنا مونس ہے اور نہ یاور
اک دل تھا وہ بھی اپنے قبضہ سے اب ہے باہر

دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

تابِ فغاں کہاں اب کیتک کروں میں نالے
سوزِ تپ دروں سے لب پڑے ہیں چھالے
جتنا سیے مجھے تو چاہے دل کھول کر ستالے
ظالم! ترے ستم ہیں اللہ کے حوالے
پرساں نہیں ہے کوئی دنیا میں بیکسوں کا
لیجاسکے کاش اڑا کر بادِ اجل کا جھونکا

مہماں ہوں کوئی دم کا دم ہے لبوں پہ آیا
فکرِ علاج میں کیوں سرگرم ہیں احبّا
یہ وہ مرض ہے جس کا ممکن نہیں مداوا
بیٹھے ہوئے ہیں بالیں پر آکے کیوں اطبّا

حیران ہیں اطبا، مایوس چارہ گر ہیں
نسخے بھی بے اثر ہیں آہیں بھی بے اثر ہیں
بیمار ہو رہا ہے زار و نزار تیرا
ہے خوف دل پہ طاری اے ہجر یار! تیرا

پھرتا سماں ہے آنکھوں میں بار بار تیرا
پیشِ نظر ہے نقشۂ لیل و نہار تیرا
بیٹھا جگر میں کوئی نشتر چبھو رہا ہے
اک درد ہے کہ دل میں رہ رہ کے ہو رہا ہے

نازک ہے انتہو تیرے بیمارِ غم کی حالت
چہرہ پہ ہے اُداسی، لب خشک، زرد رنگت
ہلتے نہیں ہیں لب بھی، اس درجہ ہے نقاہت
دل خون ہو رہا ہے ظالم تری بدولت
لختِ جگر غذا ہے، خونِ جگر ہے پانی
ایسے بھی آدمی ہیں، ایسی بھی زندگانی

اے ہجر! کیا بتاؤں حیرت میں ہوں تو کیا ہے
اک قہر ہے، ستم ہے، آفت ہے یا بلا ہے
انساں کے لئے تو وہ دردِ لا دوا ہے
جس کی سیح سے بھی ممکن نہیں شفا ہے
کتنے جگر ہوئے ہیں پانی تری بدولت
لاکھوں نے خاکِ صحرا چھانی تری بدولت

مجنوں کو تو نے ظالم لیلیٰ سے جب چھڑایا
صحرائے نجد میں وہ پھرتا تھا مارا مارا
یوسف کے ساتھ تھا یہ ادنیٰ ترا کرشمہ
یعقوب سے چھڑا کر اُس کو کنواں جھنکایا
ملنے دیا نہ تو نے شیریں سے کوہکن کو
خونِ جگر کھلایا تو نے ہی نل دمن کو
اے ہجر تیرے بس میں کوئی بشر نہ آئے
سنگِ ستم سے تیرے دل پر نہ چوٹ کھائے
تیری بلا سے خالق ہر ایک کو بچائے
بے موت اس کو مارے تو جسکے گھر میں جائے
ہے نزع سے بھی بڑھ کر بیشک فشار تیرا
ہو دشمنوں کے گھر بھی ظالم نہ تیرا پھیرا

تو وہ بلا ہے، جس سے ہر اک بشر ہے ترساں
سنتے ہی نام تیرا، ہوتی ہے روح لرزاں
دستِ ستم سے تیرے سارا جہاں ہے نالاں
ممکن نہیں ہے تجھ سے کوئی بچا ہو انساں

یوں تو ہر ایک دل میں جلوہ ترا عیاں ہے
عشاق کے دلوں میں لیکن ترا مکاں ہے

گلاب کا پھول

ہر ایک پھول سے اعلیٰ ہے یہ گلاب کا پھول
کہاں چمن میں ہے اس کے کوئی جواب کا پھول
ریاضِ دہر میں نخلِ طرب مآب کا پھول
بجا ہے اس کو کہیں ہم اگر شباب کا پھول
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

عطا ہوئی ہے اسے کیا ہی خوشنما صورت
عیاں ہے صانع مطلق کا جلوۂ قدرت
دلوں کو مست کئے دیتی ہے وہ ہی نکہت
کہاں گلوں کو میسر یہ روپ یہ رنگت
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

کلی کلی کا ہری پتیوں میں ہے یہ حال
ہوں جیسے سبز دوپٹہ میں گلرخوں کے گال
خدا نے اس کو دیا ہے عجیب حسن و جمال
صفت میں کیوں نہ ہو اپنی زبانِ ناطقہ لال
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں پھول ہیں یوں تو کھلے ہوئے صدہا
نواڑ موتیا جوہی چنبیلی اور بیلا
اسی کا رنگ مگر سب گلوں سے ہے چوکھا
ہرا تیوں میں ہو جیسے کھڑا کوئی دولہا
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول
ہزار پھول ہیں پر سب سے یہ نرالا ہے
اسی کا گلشنِ عالم میں بول بالا ہے
گلاب چین ہے سورج مکھی ہے لالہ ہے
مگر گلاب کہیں مرتبہ میں اعلیٰ ہے
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں صبح کو آتی ہے جب نسیمِ بہار
بلائیں لیتی ہے منہ چوم چوم کر ہر بار
نثار کرتی ہے شبنم بھی گوہرِ شہوار
دعائیں دیتی ہیں سب بلبلیں ہزار ہزار
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

چمن میں آنکھ کھلی رہتی ہے جو نرگس کی
لگائے ٹکٹکی اس کو ہے دیکھتی رہتی
نظر لگے نہ کہیں اس کی چھاؤں ہے ہلکی
نسیم پھونکتی ہے پڑھ کے آیۃ الکرسی
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب و تاب کا پھول

دل و دماغ کو بو نہ بھینی بھاتی ہے
اسی شمیم سے بوئے بہشت آتی ہے
شگفتگی بھی عجب دل کشی دکھاتی ہے
طراوت آنکھوں میں دل میں سرور لاتی ہے
کہ بادشاہ ہے پھولوں کا یہ گلاب کا پھول
نہ دیکھا ہم نے کوئی ایسی آب تاب کا پھول

دورانِ جنگ کی

طرحی نظمیں

آج کل

ہمارا ماحول

رُودادِ چمن

فریادِ وطن

وہ ــــ اور ــــ میں

رزمگاہِ عشق

آج کل

کیسا یہ انقلاب نمایاں ہے آجکل
ہر تاجدار بے سروساماں ہے آجکل
اک تہلکہ ہے دشت و جبل میں پڑا ہوا
دریا میں موج آب بھی لرزاں ہے آجکل
ہیبت سے ہے نہنگ کا زہرہ جو آب آب
عفریت فاقے بھی گریزاں ہے آجکل
کچھ پوچھئے نہ حال فضائے بسیط کا
موج ہوا بھی شعلہ بداماں ہے آجکل

جو خطۂ زمیں کبھی جنت نظیر تھا
سنسان مثلِ دشت و بیاباں ہے آجکل

اس جنگِ زرگری میں ہر اک جنس ہے گراں
انسان کا لہو مگر ارزاں ہے آجکل

تہذیبِ نو کے منظرِ خونیں کو دیکھ کر
حیوانیت بھی سر بگریباں ہے آجکل

چھائی ہوئی ہے ہند میں ادبار کی گھٹا
جس کو بھی دیکھئے وہ پریشاں ہے آجکل

جنگ اک طرف ہے ایک طرف قحط کی بلا
اک مستقل عذاب کا ساماں ہے آجکل

اڑتی ہیں فاقہ مستی سے منہ پر ہوائیاں
بدتر خزاں سے فصلِ بہاراں ہے آجکل

ہے زندگی کی آس نہ کوڑی کفن کو پاس
صبحِ وطن بھی شامِ غریباں ہے آجکل

اس حال میں بھی شامت اعمال دیکھیے
اک دوسرے سے دست و گریباں ہے آجکل

دل میں تو ہے عناد، زباں پر ہے اتحاد
یہ میل جول، بھول بھلیاں ہے آجکل

برپا ہے ہر چہار طرف فتنہ و فساد
اک دوسرے کی جان کا خواہاں ہے آجکل

مذہب تو رہ گیا ہے فقط اک ڈھکوسلا
باقی کسی میں دھرم نہ ایماں ہے آجکل

اخبار پر نگاہ، تو ہے ریڈیو پہ کان
پیشِ نظر نہ دیدۂ قرآں ہے آجکل

پوجا میں اور دعا میں اثر ہو تو خاک ہو
ہندو ہے لادپہ مسلماں ہے آجکل

ممکن نہیں کہ ہند میں باہم ہو اتفاق
شیطان جب بصورتِ انساں ہے آجکل

ہیں بانیٔ فساد یہاں شیخ و برہمن
مذہب بھی جن کے نام سے نالاں ہے آجکل

اب بیٹھ کر یہ مسجد و مندر میں کیا کریں
بنگلوں پہ انکے رزق کا ساماں ہے آجکل

بسمل جو بات دل میں ہے کیونکر وہ لب تک آئے
رعبِ جلال خلق کا درباں ہے آجکل

الناس باللباس

کہتے تھے عبا کو سب قلندر کا لباس
پھر سوٹ کو کہنے لگے بندر کا لباس
اب دیکھیے کیا انھیں ملتا ہے خطاب
پہنے نظر آتے ہیں جو کھدر کا لباس

زیب

باوجود بارونقی زندگی کا تجمل و آسائش

دنیا کی سجاں آج اگرچہ رونق دوچند
پھر بھی نظر آتا نہیں کوئی خرسند
بازار ہے گرم مکر و عیاری کا
اخلاق و محبت کی دکانیں ہیں بند

۹۸

النَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوکِهِم

اس وقت عجب رنگ جہاں ہے ابتر
بیگانۂ مذہب نظر آتا ہے بشر
دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے سمجھو
النّاس علیٰ دین ملوک کا اثر

انقلاب یا عتاب

سب کہتے ہیں دور انقلاب آیا ہے
بندوں کیلئے وقت خراب آیا ہے
میں کہتا ہوں نافرمانوں کی عبرت کیلئے
قدرت کی طرف کا عتاب آیا ہے

۱۰۰

کمزور اور طاقتور کا فرق یہ

جب بات پہ کوئی بات چل جاتی ہے
یہی جو ہے وہ منہ سے نکل جاتی ہے
کمزور کو دنیا میں نہیں جائے پناہ
پھوں پھاں کی گوڑی نکل جاتی ہے

۱۰۱

بھی

تدبیر سے تقدیر کا بل جاتا ہے

گرتا ہوا انسان سنبھل جاتا ہے

جب بھی عمل کرتے ہیں مردانِ خدا

قدرت کا بھی فیصلہ بدل جاتا ہے

۱۰۲

فرصت نہیں دیتی ہے

ہوں جمع کسی میں لاکھ فضل و کمال

رہتا ہے فطرت کے بدلنے کا سوال

باراں کی لطافت ہے مسلّم لیکن

ہیں خار کہیں کہیں ہیں گلبوٹ نہال

۱۰۳

پدرم سلطان بود

مانا کہ ہے تو وقت کا اپنے محمود
اندوختہ ملک پدر ہے موجود
لیکن تجھ میں بھی کچھ ہیں ذاتی اوصاف؟
کب تک یہ کہے گا "پدرم سلطان بود"

امتحان کے بعد نتاوات

جب کھینچ کے لیجائیگی قبر میں اجل
ہوگی نہ وہاں تیرا عمل اسفل
پوچھے گا نہ کوئی خاندان عزیز
کچھ کام نہ آئیگا بجز حسن عمل

۱۰۵

کرنل کا نوٹ

گلشن میں جو گل دیکھنے گئے مسکرا

پھٹ اُٹھی کلی ہنس کے سب اپنا گلا

کہتا ہو سایہ قدو قامت کے

جو سیتی میں یہیں دال نہیں گلتا

٥ وزیر خورد ک

۱۰۴

شاگردوں کی نظروں میں استادوں کی وقعت

اسکولوں میں استادوں کی وقعت نہ رہی
پہلی سی وہ لنگڑی بادشاہت نہ رہی
سکے کو تو قبضہ میں ہے اک فتح ہوا
اس فوج پہ ایمان کی حکومت نہ رہی

۱۰۲

موجودہ تعلیم کا نظام

بگڑا ہوا تعلیم کا ہے آج نظام
اچھا نظر آتا نہیں اس کا انجام
ہے قابلِ رحم ابتدائی تعلیم
ڈر ہے کہیں ہو جائے نہ کام اس کا تمام

۱۰۸

محکمۂ تعلیم کے نگراں حکام

بچتے ہیں یہ تعلیم کے نگراں حکام
بچوں کی انھیں فکر ہے بس صبح و شام
مدرّس جنت میں یا جہنم میں جائیں
ان کو تو ہے اپنے طلبا سے کام

۱۰۹

آجکل کے استاد

کچھ پڑھ نہ سکیں صحیح طرح سے وچار

شاگردوں میں قائم نہ رکھیں اپنا وقار

ایسے ہوں معلم تو بقول سعدیؒ

خرسک بازند کودکاں در بازار

۱۱۰

گلی ڈنڈا

ہندی سیکھو

جب تلک ہیں نسل میں مخلوط قوم ہندی

ہندی کی تکلا سے ہوتا ہی تیزی

حاصل کرتے تھے جب فن کی زبان

کیا اس میں قباحت ہے جو بولو ہندی

۱۱۱

استاد سے عقیدت

یکتائے زمانہ جو تھے خواجہ عشرت
تھی شعر و سخن میں جن کی کافی شہرت
یہ فیض تلمذ ہے انیس کا بسمل
اللہ منور کرے ان کی تربت

۱۱۲

آزاد نظمیں

طلوعِ سحر

یادِ بہار

پردۂ زنگاری

صدمۂ ہجر

گلاب کا پھول

طلوعِ سحر

ذرہ ذرہ عالمِ ایجاد کا تھا محوِ خواب
چھپ گیا تھا گوشۂ مغرب میں جا کر آفتاب

زلفِ مشکیں لیلیٔ شب کی تھی لہرائی ہوئی
سارے عالم پر گھٹا ظلمت کی تھی چھائی ہوئی

فطرت آسودہ، فضا خاموش، ساکت تھی ہوا
چلتے چلتے تھم گئی تھی باغ میں بادِ صبا

سبزۂ بیگانہ خوابیدہ، شجر سوئے ہوئے
آشیانوں میں پرندے بیخبر سوئے ہوئے

سو رہے تھے بیٹھے بیٹھے زاہدِ شب زندہ دار
سر نگوں تھے نیند کے غلبے سے شکلِ کوکنار

مندروں میں برہمن بھی نیند کے ماتے ہوئے
سو گئے تھے بے خبر مل کر بھجن گاتے ہوئے

رندِ میکش جو ابھی تھے شام تک ساغر بدست
اوفتادہ صحنِ میخانہ میں تھے مدہوش و مست

کام سے مزدور دن بھر تھک کے اکتائے ہوئے
بےخبر سوئے ہوئے تھے پاؤں پھیلائے ہوئے

مہر بر لب تھے ادیب و شاعرِ شیریں بیاں
مجلسِ شعر و ادب میں تھا تعطل کا سماں

ایک سناٹا غرض تھا ہر طرف چھایا ہوا
ناگہاں آنے لگی کانوں میں یہ دلکش صدا

صبح صادق کا جہاں میں بول بالا ہوگیا
پو پھٹی، دیکھو کرن نکلی اجالا ہوگیا

زندگی پیدا ہوئی ہر شے میں اس آواز سے
ذرہ ذرہ ہوگیا بیدار خوابِ ناز سے

نیند کے ماتے ہوؤں میں تازگی سی آگئی
خنکیِ بادِ سحر پھر روح کو گرما گئی

دیکھتے تھے خوابِ شیریں کب سے پیر جواں
بستروں سے اٹھ کے اب لینے لگے انگڑائیاں

"زندگی کشمکش بنی صبح حکمِ یزداں ہوگیا"
"پڑھ کے دو رکعت نمازِ آخر مسلماں ہوگیا"

یادِ بہار

اے مقدس سرزمیں، اے خطۂ پاکِ بہار
سنتے ہیں تو تھا کبھی عالم میں باغِ پُر بہار
ہیچ تھے آگے ترے سب ہند کے شہر و دیار
تیرے باشندے کبھی کرتے تھے تجھ پر افتخار
ذرہ ذرہ تھا ترا غیرت دہ شمس و قمر
چپہ چپہ تھا ترا گہوارۂ علم و ہنر

تیرے بقعہ سے شعاعِ علم ہوتی تھی عیاں
جگمگا اٹھا تھا جس کے نور سے سارا جہاں

تھیں کبھی مشہورِ عالم تیری مردم خیزیاں
تجھ میں پیدا ہوتے تھے اکثر مشاہیرِ زماں

دھاک تھی عالم میں تیری عقل و حکمت کی بندھی
کہتے ہیں سب تھا کبھی تو ناکِ ہندوستان کی

تھے کبھی آباد تجھ میں کاملانِ علم و فن
عالم و فاضل، محدث، شاعرِ شیریں سخن

فلسفہ اور منطق و حکمت کے مشتاقِ کہن
کوئی جالینوسِ وقت اور کوئی بقراطِ زمن

[illegible] کا تھا کبھی جائے قیام
کیسے کیسے تجھ میں گذرے اولیاءِ ذی کرام

شیخ شرف الدین، پیر بدر عالم، چرم پوش
بادشاہانِ جہاں بھی جنکے تھے حلقہ بگوش

نوشۂ توحید، وحدت کی دکاں کے سیفروش
جنکی بزمِ معرفت میں تھے ہزاروں جرعہ نوش

ماسوا ان کے بھی تھے اور اولیائے مستطاب
جنکے فیضِ باطنی سے اک جہاں تھا فیضیاب

سلہ مخدوم الملک حضرت شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہٗ مزار اقدس محلہ بڑی درگاہ میں مرجع خاص وعام ہے۔ ۵ شوال المکرم کو عرس نہایت تزک و احتشام کے ساتھ ہوتا ہے۔ سلہ حضرت مخدوم پیر بدر عالمؒ چھوٹی درگاہ میں آسودہ ہیں۔ عرس ۲۲ رجب المرجب کو ہوتا ہے۔ سلہ سلطان سید شاہ احمد چرم پوش تیغ برہنہ مخدوم الملکؒ کے خالہ زاد بھائی تھے۔ مزار اقدس محلہ امبیر میں واقع ہے تاریخ عرس ۱۴ صفر المظفر ہے۔ سلہ حضرت سید شاہ حسین بلخی ملقب بہ نوشۂ توحید۔ مخدوم الملکؒ کے خلیفہ اور مولانا مظفر بلخیؒ کے بھتیجے تھے۔ مزار بڑی درگاہ کے پچھم پہاڑ پور میں واقع ہے۔ ۳۱ رمضان کو عرس ہوتا ہے۔

کچھ عجب دلچسپ و دلکش تھی تری آب و ہوا
جو کوئی باہر سے آیا وہ یہیں کا ہو رہا
تجھ پہ قبضہ کر کے خود قبضہ میں تیرے آ گیا
حال یکساں ہو گیا فاتح کا اور مفتوح کا
اس کے شاہد ہیں ابھی تک کچھ پٹھانوں کے نشاں
کچھ شہادت دے رہی ہے خلجیوں کی داستاں
تیرے خطہ میں ہزاروں نامور پیدا ہوئے
اہلِ دل، اہلِ نظر، اہلِ خبر پیدا ہوئے
جن سے عالم تھا منوّر، وہ گہر پیدا ہوئے
اہل زر پیدا ہوئے اہلِ ہنر پیدا ہوئے
تھی زمیں تیری کبھی سرچشمۂ آبِ حیات
تجھ پہ اخلاقِ دو عالم کی تھی چشم التفات

آہ! لیکن اب تری اگلی وہ حالت کیا ہوئی
شان و شوکت کیا ہوئی، وہ جاہ و حشمت کیا ہوئی
کچھ خبر بھی ہے؟ چمن کی تیرے رنگت کیا ہوئی
جس سے اک عالم معطر تھا، وہ نکہت کیا ہوئی

اب کہاں پہلی سی خوشبو تجھ میں باقی ہے بہار
ہو گئی صرفِ خزاں تیرے گلستاں کی بہار

شان و شوکت تھی جہاں، عبرت برستی ہے وہاں
تھے جہاں قصر و محل، ویران بستی ہے وہاں
فارغ البالی جہاں تھی، تنگدستی ہے وہاں
عیش و خوشحالی جہاں تھی، فاقہ مستی ہے وہاں

کچھ نشاں ملتے نہیں ہیں خفتگانِ خاک کے
آہ! کیا کیا ہیں کرشمے گردشِ افلاک کے

کچھ بھی اب باقی نہیں ان مرحلوں کی یادگار
ٹوٹے پھوٹے ہاں دکھائی دیتے ہیں اکثر مزار
کہہ رہے ہیں جو زبانِ حال سے یہ بار بار
ہے یہی انجامِ کار ہستیٔ ناپائدار
جو نشاں والے کبھی تھے آج ہیں وہ بے نشاں
نیست ہوکر رہ گئی ہیں کیسی کیسی ہستیاں
کہتے ہیں بسمل اسی کو آسماں کا انقلاب
ہو گئے اس کی بدولت سینکڑوں خانہ خراب
ہے وہی عاقل جو سمجھے زیست کو مثلِ حباب
کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ ہے خاص قرآں کا خطاب
مرنے والے مر گئے زندوں کی عبرت کیلئے
ہے یہی کافی سبق اہلِ بصیرت کیلئے

پردۂ زنگاری

میں نے پوچھا فلکِ پیر سے اک دن بیکل
کیوں ہے تو موردِ الزام، ذرا سچ تو بتا
ایک عالم ہے ترے ظلم و ستم سے نالاں
ہے زمانہ میں ترے جور و جفا کا چرچا
لوگ ہر روز کیا کرتے ہیں تجھ پہ نفریں
خلق دن رات کیا کرتی ہے تیرا شکوا
ظلم سے تیرے زمانہ میں بپا ہے ماتم
ہر طرف نالہ و فریاد و فغاں، وا ویلا

ہو رہے ہیں تری رفتار سے لاکھوں پامال
دم میں سو کاٹ پلٹ دیتا ہے تیرا کاوا
سارے عالم میں ہے مشہور تری نیرنگی
ایک حالت میں کسی کو نہیں دیکھا اصلا
رنج دیتا ہے کسی کو، تو کسی کو راحت
عیش دیتا ہے کسی کو، تو کسی کو ایذا
گلشنِ دہر میں پھولا جو کوئی تازہ نہال
خار بن کر تری آنکھوں میں کھٹکنے وہ لگا
کر دیا چشم زدن میں اُسے برباد و تباہ
فارغ البال جسے تو نے ذرا دیکھ لیا
نظر آیا جو کوئی پہنے ہوئے صاف لباس
گرد آلود تفکر کیا دامن اُس کا

اے فلک! تو نے اڑائے ہیں یہ کس کے انداز
کیا حسینوں نے سکھایا ہے تجھے طرز جفا
جس پہ برساتا ہے تو تیر ستم کی بوچھار
اس کو دم بھر بھی ذرا دم نہیں لینے دیتا

ختم ہونے بھی نہ پائی تھیں ابھی یہ باتیں
ناگہاں دی مرے کانوں میں کسی نے یہ صدا
سر بسر ہے ترا ناداں یہ خیال باطل
کر رہا ہے فلک پیر کا ناحق شکوا
عقل سے کام لے کس دھیان میں ہے ہوش سنبھال
دیکھ تو کر کے ذرا چشم حقیقت کو وا

شیوۂ جور و جفا اور فلک ہے کیا مقدور
بال بھی کر نہیں سکتا یہ کسی کا بیکا
ہو نہ ہو اس میں نہاں ہے کوئی سرِ مخفی
اس کے پردہ میں مقرر ہے کوئی رازِ خفا
کب سلیقہ ہے فلک کو یہ ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"

صدمۂ ہجر

اے ہجر یار صدمے تیرے اٹھاؤں کبتک
سوز تپ دروں سے دل کو جلاؤں کبتک
آنکھوں سے اشک غم کا دریا بہاؤں کبتک
میں خود روؤں ظالم سب کو رلاؤں کبتک
کب تک کوئی اٹھائے ہر روز کے یہ صدمے
دنیا سے ہیں نرالے ظالم ترے کرشمے

ہمارا ماحول

۱۱ اگست ۱۹۴۲ء کو ہونیوالے مشاعرہ کی طرح تھی لیکن ۹ اگست کو ملکی رہنماؤں کی یکایک گرفتاری اور نظربندی کے باعث مشاعرہ نہ ہوسکا مطلع اول میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

بہار آتے ہی کیا وحشت کا ساماں دیکھتا ہوں میں
کہ دیوانوں سے اب آباد زنداں دیکھتا ہوں میں

یہ بیداری میں کیا خوابِ پریشاں دیکھتا ہوں میں
تہ و بالا نظامِ بزمِ امکاں دیکھتا ہوں میں

کسی کو آج کل جمعیتِ خاطر نہیں حاصل
عجب شیرازۂ عالم پریشاں دیکھتا ہوں میں

جدھر دیکھو، اُدھر جنگ و جدل کی گرم بازاری
غرض انساں کے مرٹنے کا ساماں دیکھتا ہوں میں

گراں سے بھی گراں تر ہے، ہر اک شے اس زمانے میں
مگر ارزاں فقط اک خونِ انساں دیکھتا ہوں میں

یہ دنیا اب تو حیوانوں کی بستی بنتی جاتی ہے
کہ انساں کو عدوے نوعِ انساں دیکھتا ہوں میں

معاذ اللہ! یہ ہلچل، کہ کوہ و دشت و دریا سے
نہنگ و اژدہا کو بھی گریزاں دیکھتا ہوں میں

کہیں توپوں کی شورش ہے کہیں گولوں کی بارش ہے
بسیطِ خاک کو آتش بداماں دیکھتا ہوں میں

یہ خطرہ بڑھتے بڑھتے قاف سے تا قاف جا پہنچا
وہاں کے دیوزادوں کو بھی لرزاں دیکھتا ہوں میں

مگر دنیا و مافیہا سے غافل ہیں وطن والے
سمجھتے ہیں اسے بازیٔ طفلاں دیکھتا ہوں میں

نہ پاسِ ملک و ملّت ہے، نہ کچھ احساس ذلّت ہے
نزاعِ باہمی کارِ نمایاں دیکھتا ہوں میں

نہ خود رستے پہ آتے ہیں، نہ رہبر کی یہ سنتے ہیں
غرض ہر ایک کو فرعون ساماں دیکھتا ہوں میں

نجانے کیا سمایا ہے سرِ شیخ و برہمن میں
کہ دونوں کو بہم دست و گریباں دیکھتا ہوں میں

نہ اپنے دھرم پر یہ ہے، نہ وہ ہوا اپنے مذہب پر
کہ دونوں کو خلافِ وید و قرآں دیکھتا ہوں میں

بظاہر تو ہر اک ہے مدعیٔ امن و آزادی
مگر باطن میں گرگِ تیز دنداں دیکھتا ہوں میں

دکھانے کو تو ہیں زیرِ دل پر ہے انکے اندیشِ نشین
مگر نیشن سے دل اِن کا گریزاں دیکھتا ہوں میں

پٹنہ کا انگریزی اخبار

کچھ ان میں گا رہے ہیں راگ گھر بیٹھے ہریجن[۱] کا
ہریجن[۲] کو مگر خود ان سے نالاں دیکھتا ہوں میں

مسلماں سیر کر لیتے ہیں گھر بیٹھے مدینہ[۳] کی
مگر بیگانۂ احکامِ قرآں دیکھتا ہوں میں

کچھ ایسے بھی ہیں جو ڈوبے ہوئے ہیں چاہِ زمزم[۴] میں
سمجھتے ہیں اسی کو آبِ حیواں دیکھتا ہوں میں

تبھی ہے آج کل ہیچ ملک کے قومی اداروں میں
نہ سرگرمی کا ان میں کوئی ساماں دیکھتا ہوں میں

ہمارے مصلحانِ ملک و ملت کا بھی کیا کہنا
وجود ان کا مثالِ جسم بے جاں دیکھتا ہوں میں

۱ گاندھی جی کے ہندی اخبار کا نام ۲ اچھوت ۳ بجنور کا اردو اخبار
۴ لاہور کا اردو اخبار

رہیں گے سب سے آگے خانہ جنگی کے اکھاڑوں میں
مگر وقتِ ضرورت گھر میں پنہاں دیکھتا ہوں میں
فقط جلسوں میں گرما گرم ہے تحریکِ آزادی
مگر راہِ عمل میں پا بجولاں دیکھتا ہوں میں
جو ہم میں ہیں اولی الامر ان کی حالت ہی جدا گانہ
کوئی دکھ درد میں ہو، اُن کو شاداں دیکھتا ہوں میں
کوئی ننگا ہو یا بھوکا، انھیں اس کی ہے کیا پروا
تعیش کا گھروں میں ان کے ساماں دیکھتا ہوں میں
گراں قیمت پہ بھی بازار میں جو شے نہیں ملتی
انھیں گھر بیٹھے مل جاتی ہے ارزاں دیکھتا ہوں میں
کرشمے ہیں یہ کیا کیا جنگ عالمگیر کے بسمل
زمانہ بھر کو با حالِ پریشاں دیکھتا ہوں میں

روداد چمن

ذیل کی دونوں طرحی غزلیں ۱؍ اگست ۱۹۴۲ء کو رائے بکھرا کی کوٹھی میں

بصدارت سید شاہ ولی الرحمٰن ڈپٹی کلکٹر گیا پڑھی گئیں

دھواں وہ اٹھ رہا ہے دیکھئے یورپ کے گلخن سے
رہیں ہشیار اہلِ ایشیا اپنے نشیمن سے
لپیٹ میں اسکی آجائے نہ ساری کائنات اسکی
مقابل ہے وطن اک فتنۂ شعلہ بدامن سے

اِدھر گلچیں[۵] کا اندیشہ، اُدھر صیّاد کا کھٹکا
عنادل آشیاں اپنا کہاں لیجائیں گلشن سے

ستمگر باغباں ہے بیرحم گلچیں، بدگماں بلبل
چمن برباد ہوگا اب چمن والوں کی ان بن سے

فلک پر دل جلوں کی آہ چھائی ہے گھٹا بن کر
ذرا کھدو رہے ہشیار دہقاں اپنے خرمن سے

عنادل کی فغاں سے باغباں خود بھی پریشاں ہے
مگر ظاہر نہیں ہوتا ہے کچھ ظالم کی چیتون سے

عجب کیا بلبلوں کے نالۂ وشیون سے تنگ آکر
اُٹھا لیجائے اپنا جھونپڑا صیّاد گلشن سے

۵ ایک طرف جرمن اور دوسری طرف جاپان کے حملہ کا خطرہ تھا

چمن میں کس گلِ تر کی سواری آنے والی ہے
نکالے جا رہے ہیں سبزۂ بیگانہ گلشن سے

اُجڑتے آشیاں دیکھا تو یہ کہتی اُڑی بلبل
رہے[۱] یا آگ لگ جائے ہمیں کیا کام گلشن سے

بہارِ لالہ و گل کا ہے لبسمل اب خدا حافظ
لگائے ٹیک بیٹھی ہے خزاں دیوارِ گلشن سے

۱ے گذشتہ جنگ میں جب کوئی فریق شکست کھا کر پیچھے ہٹتا تھا تو اپنے مفتوحہ علاقوں اور سامانِ جنگ کو آگ لگا کر تباہ و برباد کر دیتا تھا تاکہ دشمنوں کے ہاتھ نہ لگیں۔

فریادِ وطن

چلایا کس نے جادو اپنی چشمِ سامری فن سے
برہمن شیخ سے اور شیخ بگڑا ہے برہمن سے

وطن والو! اگر اب بھی نہ لی تم نے خبر اپنی
تو بس جانا تمہارا لازمی ہے دستِ دشمن سے

جو آزادی کے خواہاں ہو تو مل کر ایک ہو جاؤ
نہیں کچھ کام چل سکتا ہے اب آپس کی ان بن سے

وطن سے پہلے خود اپنے کو تم آزاد کر ڈالو
نکالو طوقِ فرقہ بندیوں کا اپنی گردن سے

جلا کر کھیتوں کو پھوٹ کی برباد کر ڈالو
نکالو بیر کے پودوں کو بھی تم اپنے گلشن سے

چمن میں لالہ و گل کے سوا کچھ بھی نہ رہ جائے
جو کانٹے ہیں نکالو انکو اک کرکے گلشن سے

خبر بھی ہے لٹیروں نے تمہارے گھر کو آگھیرا
ذرا اب بھی قدم باہر نکالو اپنے آنگن سے

تقاضا وقت کا ہے سربکف میدان میں آجاؤ
چلے گا کام گھر بیٹھے نہ کچھ فریاد و شیون سے

کرو ہندوستاں میں نام زندہ بھیم وارجن کا
سبق لو رستم و اسفندیار و گیو و بہمن سے

وطن کے لاڈلے تم ہو وطن کو ناز ہے تم پر
وطن خطرہ میں ہے سر جوڑ کر بھڑ جاؤ دشمن سے

حیات و موت کی ہے کشمکش میں اب وطن بسمل
نجات اہلِ وطن کو دیکھئے کب ہو اس الجھن سے

وہ ـــ اور ـــ میں

مئی و جون سنہ ۱۹۴۳ء کے رسالہ سہیل گیا میں چھپی

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہے ہندوستاں جنت نشاں
میں یہ کہتا ہوں مگر ہے آج پامالِ خزاں

وہ یہ کہتے ہیں نئے سر سے پھر آئے گی بہار
میں یہ کہتا ہوں کہ بعد از انقلابِ بیشمار

وہ یہ کہتے ہیں کہ اب ہندوستاں بیدار ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ ابتک نیند میں سرشار ہے

وہ یہ کہتے ہیں کہ آزادی کے دن ہیں اب قریب
میں یہ کہتا ہوں کہاں یہ ہم غلاموں کو نصیب

وہ یہ کہتے ہیں غلامی سے ملیگی اب نجات
میں یہ کہتا ہوں کہ ہاں سچ ہے مگر بعدُالممات

وہ یہ کہتے ہیں رسا اب نالۂ مزدور ہے
میں یہ کہتا ہوں ابھی سمجھو تو دلّی دور ہے

وہ یہ کہتے ہیں زمانہ ہے نئی تہذیب کا
میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سامان ہے تخریب کا

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہے آزادیٔ نسواں کا دور
میں یہ کہتا ہوں کہ اس پردہ میں ہے سامان اور

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہیں کالج کے لڑکے بے شعور
میں یہ کہتا ہوں کہ ہے تعلیم کا سارا قصور

وہ یہ کہتے ہیں کہ لیڈر قوم کے ہیں چارہ ساز
میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سب ڈھونگ ہی بندہ نواز

وہ یہ کہتے ہیں کہ کچھ مخلص ہیں ان میں بالیقیں
میں یہ کہتا ہوں کہ ہاں سب انگلیاں یکساں نہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ہیں ہر جگہ خوار و ذلیل
میں یہ کہتا ہوں کہ ہے یہ ضعفِ ایماں کی دلیل

وہ یہ کہتے ہیں جہاں میں آرہا ہے انقلاب
میں یہ کہتا ہوں کہ بندوں پر خدا کا ہے عتاب

وہ یہ کہتے ہیں کہ انساں ہے ہوا کے دوش پر
میں یہ کہتا ہوں کہ چیونٹی کے نکل آئے ہیں پر

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہے سائنس میں کیا کیا کمال
میں یہ کہتا ہوں کہ آخر ہر کمالے را زوال

وہ یہ کہتے ہیں کہ بعد از جنگ ہے امن و اماں
میں یہ کہتا ہوں فقط حسنِ ظن ہے جریاں

وہ یہ کہتے ہیں کہ برہم ہے نظامِ کائنات
میں یہ کہتا ہوں کہ مضمر اس میں ہے رازِ حیات

وہ یہ کہتے ہیں نظر آتا ہے خطرہ میں وطن
میں یہ کہتا ہوں کہ ہاں اب باندھ لو سر سے کفن

وہ یہ کہتے ہیں، زمانہ برسرِ پیکار ہے
میں یہ کہتا ہوں کہ ہمت ہو تو بیڑا پار ہے

وہ یہ کہتے ہیں کہ اب دنیا فنا ہو جائے گی
میں یہ کہتا ہوں، ابھی اک اور پلٹا کھائے گی

وہ یہ کہتے ہیں کہ کچھ کہیے تو مستقبل کا حال
میں یہ کہتا ہوں کہ بہتر جانتا ہے ذوالجلال

ہاں مگر یہ کہہ رہی ہے گردشِ لیل و نہار
ہوشیار! اے بےخبر! از دورِ گردوں ہوشیار

رزمگاہِ عشق

(جنگی اصطلاحات کو پیشِ نظر رکھ کر)

(یہ نظم سقوطِ سنگاپور کے موقعہ پر "سرِ دیگراں در حدیثِ دیگراں" کے ماتحت لکھی گئی۔ مطبوعہ رسالہ سہیل فروری سنہ ۱۹۴۲ء)

کچھ پوچھئے نہ مجھ سے مرا حالِ زار آج
میں کیا بتاؤں رہتا ہوں کیوں دلفگار آج

کل تک تو قیدِ غم سے تھا آزاد ملکِ دل
اک انقلاب اس میں ہوا آشکار آج

اقلیمِ حسن پر تھی حکومت شباب کی
فوجِ الم نے ڈال دیا خلفشار آج

اک مس کے عشق نے اسے بمبارٹ[1] کر دیا
ہوش و خرد بجا ہیں نہ صبر و قرار آج

[1] تباہ و برباد۔

دل میرا بن گیا ہے ایمرجنسی[1] ایریا
ہر ایک شے پہ اس کا ہوا اختیار آج

کچھ روشنیِ طبع کا ملتا نہیں پتہ
سینہ ہے یا کوئی لحد تنگ و تار آج

گویا ہے سارے خانۂ تن میں بلیک آؤٹ[2]
اک ٹمٹما رہا ہے دلِ داغدار آج

ایک ایک کرکے چرخ سے ساری مصیبتیں
اتری ہیں پیراشوٹ[3] پہ ہو کر سوار آج

انٹی ایئر کرافٹ[4] کا ساماں کیا کروں
آتش فشاں ہے وہ نگہ شعلہ بار آج

۱؎ وہ علاقہ جو وقتی ضرورت سے حکومت کے قبضہ میں آگیا ہو ۲؎ گھپ اندھیرا

۳؎ ہوائی چھتری ۴؎ گولہ انداز ہوائی جہاز کی مدافعت

ابرو ہے یا کمانڈر انچیف فوج کا
ہے جس کے اک اشارہ سے سینہ فگار آج
صورت کوئی نظر نہیں آتی ڈیفنس[۵۱] کی
تدبیر کوئی ہوتی نہیں سازگار آج
ایسی ہوئی شکست کہ اب راہِ عشق میں
اٹھتا نہیں کوئی قدم استوار آج
اے۔ آر۔ پی[۵۲] ہے عقل سو وہ بھی ہے بدحواس
شلٹر[۵۳] میں جا چھپی کہیں ہو کر فرار آج
غدار بنکے پانچویں[۵۴] کالم میں آنہ جائیں
ایسا حواس خمسہ میں ہے انتشار آج

---

۵۱ مدافعت ۵۲ رضا کارانہ جماعت جو حکومت کی وقتی امداد کیلئے قائم کیگئی ہو
۵۳ جائے پناہ ۵۴ دست نماد شمن

دیتا ہے اب دماغ سرنڈر کا مشورہ
کہتا ہے یہ کہ مان لو ظالم سے ہار آج

اب جان و دل کی خیر، نہ ایماں کی ہے خیر
عاشق یہ رحم کر مرے پروردگار آج

کل تک تو کچھ خبر نہ تھی انجامِ عشق کی
کانوں میں کہہ رہا ہے کوئی بار بار آج

"ہے ست راہِ عشق کہ ہیچش کنارہ نیست
اینجا جز اینکہ جاں بسپارند چارہ نیست"

سپر اندازی۔ ہار مان لینا۔

واقعاتی نظمیں

قحط بنگال

مصیبت بنگال

سپر انداختن

نظم استقبالیہ

نظم جشن آزادی

مہاتما گاندھی کی یاد

ننّھا مُسافر

ایک قصیدے کی تشبیب

قحطِ بنگال

(یہ نظم "بنگال ریلیف فنڈ" کے جلسہ منعقدہ ۱۵ر اکتوبر ۱۹۴۳ء بمکان مسٹر نند کولیار
عرف لانجی بابو بیرسٹر پڑھی گئی

بنگال

صوبۂ بنگال نے پیشِ بہار
عرض کی با آہِ سرد و چشمِ تر

کیا کہوں اے میرے دیرینہ رفیق
آپ کو شاید نہیں اس کی خبر

ہو رہی ہے انقلابِ دہر سے
آج کل حالت مری نوعِ دگر

جنگ کا سر پہ مسلط اک عذاب
جان لیوا پھر گرانی کا اثر

ملک کے زرخیز خطے ایک سال
ہو گئے سیلاب سے زیر و زبر

کچھ ایمرجنسی کی زد میں آ گئے
حکمِ حاکم سے بھلا کس کو مفر؟

جوٹ کی کھیتی پہ تھا دار و مدار
رہ گئے اسکے بھی چھلکے چھوٹ کر

ایک دن ہم اپنی پیداوار سے / غیر صوبوں کی بھی لیتے تھے خبر
آج وہ دن ہے کہ ہم پھیلائے ہاتھ / پھر رہے ہیں صورتِ دریوزہ گر
ملک میں لاکھوں ہیں ایسے بے پناہ / جنکے کھانیکو نہ رہنے کو ہی گھر
جا کے کلکتہ کی حالت دیکھیے / حشر کا میدان آتا ہے نظر
مرد عورت بوڑھے بچے نوجواں / پھرتے ہیں فاقوں کے مارے دربدر
اُن میں کتنے بیکس و بے خانماں / ننگے بھوکے ہیں پڑے فٹ پاتھ پر
وہ بلا تفریقِ ملت، ہر طرف / کر رہے ہیں جھوٹے ٹکڑوں پر بسر
یہ قیامت کا نمونہ اور آہ! / ملک کا خوشحال طبقہ بے خبر
اس مصیبت کے ہیں وہ بھی ذمہ دار / جو ہیں زریں کرسیوں پہ جلوہ گر

الاماں از جورِ فاقہ الاماں
الحذر از دورِ گردوں الحذر

سن کے اوروں نے ہمارا حالِ زار / کچھ نہ کچھ امداد کی مقدور بھر

ہوں کرم کا آپ کے امیدوار / دیر سے ہے آپکی جانب نظر
کیجئے امداد نقد و جنس سے / لیجئے للہ! اب میری خبر
دوسرے صوبے تو پھر بھی غیر ہیں / آپ اور ہم تھے کبھی شیر و شکر
کیجئے ہمسائگی کا کچھ خیال / آپ پر حق ہے ہمارا بیشتر

بہار

سنکے ساری گفتگو بولا بہار / آپ جو کچھ کہہ گئے سچ ہے مگر
فقر و فاقہ میں جو خود ہو مبتلا / وہ کسی مجبور کی لے کیا خبر؟
قحط سے کب ہمکو اطمینان ہے / جنگ کا نقشہ رہا یونہی اگر
ایک ہی کشتی میں ہیں دونوں سوار / آپ ڈوبے تو ہمیں کب ہی مفر
ننگے بھوکے جسکے ہوں اہل و عیال / غیر کی، یا پہلے اپنی لے خبر
حکم یہ ہے کیجئے روشن چراغ / مسجد و مندر سے پہلے اپنے گھر

گفتگو دونوں کی سن کر ناگہاں　　روحِ سعدیؒ بولی یہ للکار کر

پست ہمت بن نہ اتنا ای بہار　　اُٹھ گلستاں کا سبق پھر یاد کر

"نیم نانے گر خورد مردِ خدائے

بذلِ درویشاں کند نیمے دگر"

مصیبتِ بنگال

"بنگال ریلیف فنڈ" کے جلسہ منعقدہ ٹاؤن ہال گیا ماہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں پڑھی گئی

کس مصیبت میں آج ہے بنگال ۔۔۔ کچھ خبر بھی تمہیں ہے اہلِ بہار
آگئی ہے قیامتِ صغریٰ ۔۔۔ نفسی نفسی کی ہر طرف ہے پکار
اک تو جنگ و جدل کا ہنگامہ ۔۔۔ قحط کی اس پہ گرمیِ بازار
کل تھا بنگال صاحبِ اقبال ۔۔۔ اُس پہ آیا ہوا ہے آج ادبار
ملک آسام سے کراچی تک ۔۔۔ جسکی پھیلی ہوئی تھی پیداوار
اُس کے فرزند آج ہیں محتاج ۔۔۔ پھرتے ہیں در بدر ذلیل و خوار
دانہ دانہ کو وہ ترستے ہیں ۔۔۔ گھر میں غلوں کا جن کے تھا انبار
سرد بازار ہے تو غلوں کا ۔۔۔ ہے مگر گرم موت کا بازار

حالتِ زار انکی کیا ہو رقم ہے یہ مشتے نمونہ از خروار
ہیں یہ نیرنگیاں زمانہ کی جائے عبرت ہے یا اولی الابصار
ملک بھر میں مچا ہے واویلا سن کے بنگال کی یہ حالتِ زار
سب کے سب کر رہے ہیں کچھ امداد کیا خبر لی ہے تم نے اہلِ بہار؟
حق پڑوسی کا ہے پڑوسی پر کوئی دس دے تو تم دو ایک ہزار
تم ہو اُس سے بدرجہا بہتر شکر اس کا کرو ہزار ہزار
کام لو اپنی اپنی ہمّت سے کرو مِل جُل کے اُس کا بیڑا پار
تم میں احساسِ درد کچھ ہے اگر خوابِ غفلت سے جلد ہو بیدار
دو ثبوت اپنی زندگانی کا بنو بےحس نہ صورتِ مُردار
لکھ گئے ہیں یہ سعدیؔ شیراز قابلِ قدر اُن کی ہے گفتار

"مُرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشتہ ست پند بر دیوار"

سپر انداختن

جرمنی اور اٹلی کا مکالمہ

۳ ستمبر ۱۹۴۳ء کو اٹلی نے اتحادیوں کے مقابلہ میں ہتھیار ڈال دیا۔

اسی موقعہ پر نظم لکھی گئی

سلاطیں ہوئے جب ہوس کے شکار　　ہوا گرم ہنگامۂ کارزار
ہوئے جمع دونوں طرف کے جری　　اِدھر اتحادی[۱] اُدھر محوری[۲]
جو اٹلی ہوا بیچ میں سدِّ راہ　　ہوئی چند ہی دن میں حالت تباہ
سرنڈر[۳] کیا اُس نے انجام کار　　نہ دیکھی بجز اس کے راہِ فرار

---

۱ طرفدارانِ برطانیہ ۲ طرفدارانِ جرمنی ۳ ہتھیار ڈال دینا۔

تو جھلا کے یہ جرمنی نے کہا — ارے تو نے یہ کیا غضب کر دیا
ہوا تجھ سے کیا بزدلی کا یہ کام — کیا محوریوں کو رسوائے عام
نگراں کے حلقہ میں تو آ گیا — کہ ہیں اتحادی بڑے بدبلا
نہیں زور سے جب نکلتا ہے کام — تو پھیلاتے ہیں زر کے پھر یہ دام
دلوں میں وہ بوتے ہیں تخم نفاق — کہ ہر فرد اُن کا ہے اس فن میں طاق
کتاب سیاست کے لیکر ورق — پڑھاتے ہیں ابلیس کو بھی سبق
سمجھتا رہا میں تجھے یار غار — تری دوستی پر کیا اعتبار
نجانے ترے دل میں کیا آ گئی — جو کی ترک تو نے رفاقت مری
دیا تو نے بیوقت ہتھیار ڈال — نہ سمجھا کہ کیا ہوگا اس کا مآل

گماں برد ست زیرک و ہوشمند
ندانستمت بزہ دل و خود پسند

کہا سن کے اٹلی نے اے بوالفضول — کہ بس بس سخن کو نہ دے اور طول

سمجھ میں مری آئی اب تیری چال بنایا تھا تو نے مجھے اپنی ڈھال
کیا میں نے جو کچھ سمجھ کر کیا کہ فرما گئے سعدیؒ باصفا
نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

نظمِ استقبالیہ

گیا ضلع مسلم لیگ کی عظیم الشان کانفرنس جو زیر صدارت سر خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم بنگال ماہ اپریل ۱۹۴۲ء کو منعقد ہوئی اس کے پہلے اجلاس میں پڑھی گئی

بہار آئی ہے ساقی، کھول دے اب قفلِ میخانہ
کریں میخوار مل کر تیرا استقبالِ شاہانہ
پیا پے بادۂ خُلت سے دے بھر بھر کے پیمانہ
کہ پیتے ہی جسے رندوں میں ہو اک جوشِ مستانہ
وہ مے دے جس میں ساقی! رنگ چوکھا ہو اخوت کا
کہ مجمع آج اس جلسہ میں ہے اخوانِ ملت کا

عجب دلچسپ منظر ہے، مسرت کا زمانہ ہے
ہوا ٹھنڈی، فضا پر کیف ہے، موسم سہانا ہے
چمن گلہائے رنگا رنگ سے ارژنگ خانہ ہے
عنادل کی زباں پر خیر مقدم کا ترانہ ہے
ہوا خواہانِ قوم اس بزم میں تشریف لائے ہیں
صعوباتِ سفر کی منزلیں طے کر کے آئے ہیں
پلا دے بادۂ وحدت سے بھر کے جام اے ساقی
جو کر دے محو دل سے تلخیٔ ایام اے ساقی
نہ جائے تیرے در سے کوئی بھی ناکام اے ساقی
بہت ہے میکدہ کا تیرے اونچا نام اے ساقی
سروں سے بادۂ غفلت کا نشہ دور ہو جائے
وہ مے دے جس سے مستی قوم کی کافور ہو جائے

نہ وہ مے ہو جسے پی کر کوئی مدہوش ہو ساقی
وہ مے دے جس سے تازہ دل میں قومی جوش ہو ساقی
طبیعت جس کی لذت سے حقیقت کوش ہو ساقی
وہ جرأت ہو کہ ہر ہیکش علم بردوش ہو ساقی
مسلمانوں میں بیداری پھر آجائے نئے سر سے
فضا بھی جاگ اٹھے نعرۂ اللہ اکبر سے

سنا ہے ساری دنیا پر کبھی ان کی حکومت تھی
زمانہ سازگار ان کا تھا، جانبازی تھی، جرأت تھی
نفاق ان میں نہ تھا، آپس میں یکجہتی تھی، ملت تھی
نظر انکی خدا پر تھی، خدا کی ان پہ رحمت تھی
اخوت کا سبق سارے زمانہ کو پڑھاتے تھے
رواداری سے ان کی غیر بھی تعلیم پاتے تھے۔

نہ کثرت سے یہ ڈرتے تھے، نہ قلت کی انھیں پروا
ہزیمت کو سمجھتے تھے کہ ہے اک لفظ بے معنیٰ!

سروں میں سرفروشی کا فقط رکھتے تھے اک سودا
شہادت انکے بائیں ہاتھ کا اک کھیل تھی گویا

مے توحید سے ہر وقت یہ سرشار رہتے تھے
خدا کی راہ میں آمادۂ پیکار رہتے تھے

قدم انا فتحنا کہہ کے جب آگے بڑھاتے تھے
جو ہوتا کوہ بھی تو کاہ کی صورت ہٹاتے تھے

کبھی گھوڑوں کی جولانگاہ دریا کو بناتے تھے
کبھی دریا سے خشکی پر جہاز اپنا چلاتے تھے

جہاں میں شور تھا اسلام کے جبروت و سطوت کا
پھریرا ہر طرف لہرا رہا تھا فتح و نصرت کا

زمانہ بھر میں تھی ضرب المثل ان کی رواداری
سکھاتے تھے یہ غیروں کو بھی آئینِ وفاداری
دھنی تھے قول کے، جوہر تھا ان کا راست گفتاری
جو کہتے تھے وہ کرتے تھے، نہ تھی ان میں ریاکاری
ملنساری تھی ایسی جھک کے دشمن سے بھی ملتے تھے
جو اڑ جاتے تو پھر کوہِ گراں بن کر نہ ہلتے تھے
مگر افسوس! ان میں آگیا اب ضعفِ ایمانی
مسلماں تو ہیں لیکن اب کہاں جوشِ مسلمانی
بہت کم ان میں ہیں اب عاملِ احکام قرآنی
سنبھل جائیں تو پھر سر پہ ہو ان کے ظلِ سبحانی
گذشتہ عظمتیں اسلاف کی پھر ان میں آجائیں
خطاب اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ کے حقدار کہلائیں

نظم جشن آزادی

۱۳۶۶ھ

یہ نظم ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء ۹ بجے شب کو مسٹر شکلا ڈپٹی کلکٹر کی کوٹھی پہ

بموقع جشن آزادی پڑھی گئی

م ساون کا مہینہ تھا

گھٹا یہ ساون کی کالی کالی سہانی رت، دلفریب منظر
فضا سے مستی برس رہی ہے، چھلک رہے ہیں گلوں کے ساغر

نکھار پر رنگ گلستاں ہے، عجب گھڑی ہے، عجب سماں ہے
کلی کلی مسکرا رہی ہے، نہال ہیں نخل پھول پھل کر

کہیں گلِ تر کے قہقہے ہیں، کہیں عنادل کے چہچہے ہیں
خزاں رسیدہ چمن میں پھر سے بہار آئی ہے بن سنور کر

کہو غنا دل سے ہو کے آزاد، اب ترانے خوشی کے گائیں
کہ آج صیّاد جا رہا ہے چمن سے اپنا اٹھا کے بستر
ہر اک کا دل شاد ہو رہا ہی، کہ ملک آزاد ہو رہا ہے
یہ گھر پھر آباد ہو رہا ہے، ہر اک در و بام ہے منور
خوشی نہ ہر ایک کیوں منائے، جب ایسی ساعت خدا دکھائے
کہ بعد مدّت کے ہم غلاموں کا، آج پلٹا ہے پھر مقدر
اگرچہ کچھ کچھ ملال بھی ہے، کہ ملک تقسیم ہو گیا ہے
نجانے آپس میں کیسی بنتی ہے ایک سے دو گروپ بنکر
مگر جو ہونا تھا ہو چکا، اب خیال کیسا ملال کیسا
سبمجھے اس کو کہ ایک گھر بٹ گیا ہی دو بھائیوں کے اندر
عجب نہیں یہ مقابلہ کا خدا کی جانب سے امتحاں ہو
کہ دیکھیں دونوں میں کون رکھتا ہی نظم بستی جہاں کا بہتر

مناسب اب ہے کہ دونوں آپسمیں ایسا حسنِ سلوک رکھیں
کہ کرنے لگ جائے اعتماد اور اعتبار ایک دوسرے پر
وہی ہو الفت، وہی ہو ملت، وہی ہوں ہندو، وہی مسلماں
خدا کرے ایک ہو جائیں، دونوں بچھڑے ہوئے برادر
کچھ ایسا باہم ہو ربط مستحمل کہ ساری دنیا پکار اٹھے
بڑا مزا اس ملاپ میں ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

مہاتما گاندھی کی یادیں

یہ نظم ۱۹ فروری ۱۹۴۸ء کو آفیسرز ایجوکیشنل کانفرنس کے موقع پر
بمقام گیا ضلع اسکول پڑھی گئی

چھاگئی بھارت پہ کیسی آج یہ غم کی گھٹا
ہر طرف آہ و فغاں ہے ہر طرف ماتم بپا
کس کے غم میں ہر طرف پھیلا ہوا ہے انتشار
بن گئی گنگا کی دھارا آج چشم اشکبار
چل بسا سینہ پہ اپنے کون کھاکر گولیاں
کس کے غم میں بن گیا ماتم کدہ سارا جہاں

جان گاندھی جی کی لے کر موت بھی شرما گئی
کہہ رہی تھی یا خدا ہم کو نہ کیوں موت آ گئی

کیوں نہیں تیرا غضب نازل ہوا پروردگار
اک اہنسا کا پجاری ہو تشدّد کا شکار

جس نے دلوائی ہمیں قیدِ غلامی سے نجات
کٹ گئی افسوس! اسکی آج زنجیرِ حیات

کون اب ہم کو ملیگا ایسا اچھّا راہبر
شانتی کا دیوتا اور امن کا پیغامبر

کون دے گا اب یہاں لوگونکو درسِ اتّحاد
کون نبٹائے گا ہندوستان کا جھگڑا فساد

اب اہنسا کا کرے گا ہر جگہ پرچار کون؟
اب سکھائیگا ہمیں شیرینیٔ گفتار کون؟

اب سنائیگا ہمیں کون اپنے میٹھے بول
اب پریت رکھنے سے کیسے ہوگا ہم میں میل جول

کون چرخہ سنگھ کو اب ہر جگہ دیگا رواج
کون سوچیگا ہماری فاقہ مستی کا علاج

اب رکھے گا کون جاری شام کا پرارتھنا
ہندو مسلم کو دیگا کون اب بھائی بنا

کس کے منہ سے اب سنینگے لوگ گیتا کا بھجن
کس کے لب پر ہوں گے اب قرآن کے میٹھے بچن

کون اٹھائیگا مصیبت دوست دشمن کیلئے
کون کھلوائے گا اب مندر ہریجن کیلئے

اب کدھر ڈھونڈھیں کہاں جا کر کریں انکو تلاش
ٹکڑے ٹکڑے ہے کلیجہ تو جگر ہے پاش پاش

ایسے روٹھے ہیں کہ ہم اُن کو منا سکتے نہیں
وہ بچھڑ کر پھر ہمارے پاس آ سکتے نہیں

آج وہ منہ موڑ کر گو ہو گئے ہم سے جُدا
موت ہے سب کے لئے لیکن اَمَر ہے آتما

وہ تو رخصت ہو گئے دنیا کو کہہ کر خیرباد
اب بھلائی جا نہیں سکتی دلوں سے اُنکی یاد

یاد کے معنی نہیں بیٹھے رہیں ہم اُن کا نام
یاد کے معنی یہ ہیں جاری رکھیں ہم اُن کا کام

اب یہ لازم ہے کہ سب مل کے یارانِ وطن
ان کے بتلائے ہوئے رستہ پہ ہوں سب گامزن

"ننھا مسافر"

یہ نظم نورِ چشمی زین العابدین سلمہٗ کے خلفِ اول محمد جنید عرف سہیل مرحوم کی
وفات سے متاثر ہوکر دوسرے دن سرِ بالین گو بیٹھکر لکھی گئی

اے مرے ننھے مُسافر! اس جہاں کی سیر کر
کر چکا کچھ دن یہاں کی، اب وہاں کی سیر کر

ساکنانِ عالمِ بالا ہیں تیرے منتظر
کچھ زمیں کی کر چکا، اب آسماں کی سیر کر

باغ عالم کی ہوا تجھکو ہوئی ناخوشگوار
قدسیوں میں جاکے اب باغ جناں کی سیر کر

عمرِ فانی کی نہ راس آئی تجھے چوتھی بہار
خلد میں جا اب بہارِ بےخزاں کی سیر کر

مادّی دنیا سے تھا ہٹ کر پرے تیرا مقام
کون کہتا پھر تجھے اس خاکداں کی سیر کر

ترک کی تھی تین ہفتوں سے یہاں آب و غذا
چشمۂ کوثر پہ جامِ ارغواں کی سیر کر

کر دیا تھا تجھ کو بیماری نے پابندِ قفس
ہو کے اب آزاد اپنے آشیاں کی سیر کر

یہ جہانِ رنگ و بو تھا عارضی تیرا مقام
تو ہے بلبل جس کا اب اُس گلستاں کی سیر کر

تھا یہاں آغوشِ مادر، اور وہاں آغوشِ حور
اس سماں کے بعد ہی، اب اُس سماں کی سیر کر

کس قدر مضطر ہیں تیرے جد و عم و والدین
کھول آنکھیں گریۂ پیر و جواں کی سیر کر
لیکن ان دنیا کے جھگڑوں سے تجھے کیا کام ہے
تا ابد تو اب بہارِ جاوداں کی سیر کر

. . . .

بہرِ تسکینِ دلِ مایوس و قلبِ بے قرار
کہتی ہے عبرت کہ تاریخِ جہاں کی سیر کر
امتحانگاہِ محبت ہے یہ فانی کائنات
توڑ اِن رشتوں کو ملکِ جاوداں کی سیر کر
"تجھ کو دنیا میں ہوئی زندوں کی صحبت ناگوار
اب تہِ مرقد دیارِ رفتگاں کی سیر کر"

راہ میں تجھ کو ملیں گے کتنے ہمن ہمسفر
اس ہجومِ کارواں در کارواں کی سیر کر

عالمِ بالا پہ جا کر اے مرے ننھے سہیل
ماہ و پرہ وین و سہیل و کہکشاں کی سیر کر

ہاں! مگر کرنا خدا سے جا کے اتنی التجا
صبرِ ایوبی کرے تیرے اعزا کو عطا

ایک قصیدہ کی تشبیب

(فوجی اصطلاحات کو پیش نظر رکھ کر)

آئی بہار، موسمِ گل کا بگل بجا
گلشن میں مارچ کرنے لگی ہر طرف صبا
گلہائے رنگا رنگ کھلے ہیں اِدھر اُدھر
یا لشکرِ بہار پڑا ہے پڑاؤ پر
شاخِ شجر پہ بیٹھ کے مرغانِ خوشنوا
نعرہ بلند کرتے ہیں فتحِ قریب کا
مرغابیوں کے جھنڈ لبِ جو اِدھر اُدھر
جیسے پرا جمائے ہو پلٹن کمان پر

صف بستہ آگے پیچھے جوانانِ گلستاں
ڈٹ کر کھڑے ہیں پہنے ہوئے سبز وردیاں
بادِ نسیم بن کے گلستاں میں لفٹنٹ
کرتی ہے ہر روش پہ گلوں کا اریجمنٹ

نورِ سحر نکھار رہا ہے چمن کا سائٹ
بادِ صبا سکھاتی ہے پودوں کو لفٹ رائٹ

شاخوں میں یہ لدے ہوئے نورس فروٹ ہیں
یا سبز وردیوں میں نئے رنگروٹ ہیں
شمشاد و سرو بھی ہیں کھڑے ایک پاؤں پر
ڈیوٹی پہ ہوں ڈٹے ہوئے جس طرح سولجر

چند تاریخی قطعات

ہے یہ مشتے نمونہ خروارے

۱۹۴۸ء

تاریخ وفات

اُستاذی حضرت خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی پر تاریخ

اٹھا وہ کون جہاں سے ادیب اہل کمال
بپا ہے بزم ادب میں جو شورِ واویلا
بچھی ہوئی صفِ ماتم ہے لکھنؤ میں آج
ہر ایک اہلِ سخن کے ہے لب پہ آہ و بکا
ہزار حیف ہوا کوچ دارِ فانی سے
جناب خواجہ عبدالرؤف عشرت کا
سنِ وفات سرِ آہ سے یہ ہاتف نے
کہا۔ چراغِ ادب لکھنؤ کا آج بجھا
۱۳ھ ۵۹

تاریخ وفات

مولانا حکیم سیّد حسن مرتضیٰ شفقؔ رضوی عماد پوری

سرِ فلک یہ نمایاں نہیں ہے رنگ شفق
غمِ شفقؔ میں ہے پیرِ فلک کا چہرہ فق
شفقؔ، کہ دم سے تھی جسکے بہارِ شعر و سخن
وہ اگلی صحبتوں کا نقشِ یادگار شفقؔ
ادیب، شاعرِ دیرینہ سال، فخرِ بہار
وجود جس کا تھا بزمِ سخن کی اک رونق
وہ اپنے وقت کا تھا اوستادِ ماہرِ فن
پڑھایا جس نے ہزاروں کو شاعری کا سبق

جہاں سے کر گیا کوچ آج صد ہزار افسوس
بجا ہے دل کو ہو جتنا بھی درد و رنج و قلق

رہی طباعتِ دیواں کی فکر تا دمِ مرگ
کہ یادگار رہیں باقی رہیں یہ چند ورق

"اگر پدر نتواند پسر تمام کند"
ہمیشہ پیشِ نظر تھا یہ اک سوالِ ادق

مگر نظامِ مشیّت کا حال کیا معلوم
نہ تھی نوشتۂ تقدیر کی خبر مطلق

ربیعِ ثانی کی تیرہ، بروزِ آدینہ
کتابِ زیست کا اُلٹا قضا نے آکے ورق

لکھو یہ مصرعۂ تاریخ سنگِ تربت پر
ہجومِ حور و ملائک سرِ مزارِ شفق

۱۳ ھ ۶۳

تاریخ وفات جناب جلیل مانکپوری

اُستادِ شہریارِ دکن

صدا آ رہی ہے یہ بزمِ سخن سے
جلیل اٹھ گئے آج اس انجمن سے

وہ پیغمبرِ ملکِ شعر و سخن تھے
نبوت ملی تھی خدائے سخن سے

ہر اک سمت افسردگی چھا رہی ہے
وفاتِ جنابِ جلیلِ حسن سے

دل افسردہ ہیں شہریارِ دکن بھی
کہ تھے بہرہ یاب انکے فیضِ سخن سے

پس مرگ بھی ہو رہے وہ وہیں کے
کچھ ایسی محبت تھی خاکِ دکن سے

لکھو سالِ رحلت یہ ہجری میں بسملؔ
جلیلؔ اٹھ گئے وائے بزم سخن سے
۱۳ ھ ۶۵

ایضاً در سنہ عیسوی

ہوئی خبر جو وفاتِ جلیل کی مشہور
تو بسملؔ از سرِ افسوس بولا ہاتفِ غیب

لکھو یہ سال مسیحی میں مصرعۂ تاریخ
جلیل امیر سخن کے وزیر تھے لاریب
۱۹ ۴ ۴۶

تاریخ وفات علامہ حافظ حاجی سید فضل حق آزاد عظیم آبادی

(در حروف منقوطہ)

نیست جز ذات خدائے لایزال
ہیچ شے را در جہاں پایندگی

از فیوض حضرت آزاد بود
در جہانِ شاعری تابندگی

بست و ہفتم ماہ شعباں چوں رسید
گم شدہ در تیرگی رخشندگی

سال در منقوط از بسملؔ شنو
فضل حق آزاد شد از زندگی

۱۳ھ ۶۱

تاریخ وفات

مہاتما گاندھی بیکنٹھ باش

١٣ ھ ٦٧

ہندوستاں میں کیوں صفِ ماتم بچھی ہے آج
لب پر ہر اک کے آہ و فغاں ہے یہ کس لئے
کیسی خبر کسی نے سنائی یہ دلخراش
گاندھی جی اس جہاں سے روپوش ہو گئے
قاتل کے شل نہ ہو گئے کیوں وقتِ قتل ہاتھ
اس خونِ بے گناہ سے کیا پھل ملا اُسے
وہ قتل ہو کے ہو گئے بیکنٹھ باش آج
ظالم بتا! پناہ ملے گی کہاں تجھے

ہمدردِ خلق، مصلحِ اعظم، فدائے قوم
دنیا میں لوگ ہوتے ہیں کم ان صفات کے

جس مقصدِ عظیم کو لائے تھے اپنے ساتھ
تکمیل اُس کی تا حدِ امکاں وہ کر گئے

اہلِ وطن کو سونپ کے آزادیِ وطن
آزاد خود بھی ہو گئے قیدِ حیات سے

بسمل کو فکر جب ہوئی تاریخ سال کی
دی یہ ندا کسی نے چتا سے پکار کے

دشمن کے سر کو کاٹ کے لکھ دو سنِ وفات
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۱۹   ۶   ۴۸

تاریخ وفات قائداعظم محمد علی جناح

حسرتا واحسرتا! آں قائداعظم جناح
زیں جہانِ بے بقا رفتہ سوِ بستانِ خلد

شد مقامش در جوارِ رحمتِ ربّ العباد
مسکن و آرامگاہش قصرِ عالیشان خلد

یازدہ ماہِ ستمبر، روزِ شنبہ وقتِ شب
با ہزاراں سطوتِ شاہانہ شد مہمانِ خلد

طرّقوا گویاں ملائک در یمین و در یسار
مرحبا اھلاً و سھلاً بر لبِ حورانِ خلد

ساقیِ کوثر، لبِ کوثر، سراپا انتظار
بہرِ استقبالِ او ساغر بکف غلمانِ خلد

قدسیاں مصروف در آرائشِ باغِ جناں
نغمہ زن بر شاخِ گل مرغانِ خوش الحانِ خلد

در فراقش غم نصیب و خستہ دل اہلِ جہاں
از وصالش کامران و شادماں سُکّانِ خلد

از وفاتش گشت ویراں قصرِ مالا بار ہل
وز قدومِ او فزوں شد رونقِ ایوانِ خلد

ملہمِ غیبی زِ رحلت گفت سالِ انتقال
بانیِ اقلیمِ پاکستاں، بپاکستانِ خلد

۱۹ ۶ ۴۸

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات عزیزی محمد جنید اختر عرف سہیل مرحوم
خلف نور چشمی زین العابدین سلمہ

جو بتاریخ ۱۱ر صفر سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶ر جنوری سنہ ۱۹۴۵ء جمعہ کا دن گزار کر
۷½ بجے شام کو بعد نماز مغرب واقع ہوئی

الٰہی یہ اندھیر کیسا ہوا؟ — کہ ملکِ عدم کو سدھارا سہیل
نظر آئے کیوں اب نہ دنیا سیاہ — کہ تھا سب کی آنکھوں کا تارا سہیل
مرے دل کی ٹھنڈک مرے دل کا چین — مری زندگی کا سہارا سہیل
نجانے ترے دل میں کیا آگئی — جو یوں کر گیا تو کنارا سہیل!
تری عمہ و مادر سوگوار — کہ تھا جنکی آنکھوں کا تارا سہیل!
تڑپتی ہیں چاروں پڑی خاک پر — اُٹھا ان کو دیکر سہارا سہیل!

رواں چشم تر سے ہے سیلابِ خوں — نکلتا ہے دل سے شرارا سہیل!

جگر چاک ہیں ترے عم[1] و پدر — نہیں تیری فرقت گوارا سہیل!

ترا ابِّ اب[2] بسمل دلفگار — کہ تھا جسکے پیارے کا پیارا سہیل!

الگ بسترِ غم پہ ہو کر نڈھال — پڑا ہے مصیبت کا مارا سہیل!

نہیں کوئی امید اب حشر تک — تری دید ہوگی دوبارا سہیل!

دوا و دعا نے کیا کچھ نہ کام — مشیت میں کس کا اجارا سہیل!

ترے غم کی برداشت آساں نہیں — چبانا ہے یہ سنگِ خارا سہیل!

مگر تھی یہی مرضیِ کردگار — بجز صبر اب کیا ہے چارا سہیل!

خدا سب کو دے تیرا نعم البدل — عطا ضبطِ غم کا ہو یارا سہیل!

مبارک ہو تجھکو یہ آغوشِ حور — بہشتِ بریں کا نظارا سہیل!

---

[1] چچا۔ [2] ابِّ اب۔ باپ کا باپ یعنی دادا

صفر کی تھی گیارہویں جمعہ کی شام — چھپا جب وہ ماہ دل آرا سہیل
یہ جنوری کی تھی چھبیسویں — کہ خلدِ بریں کو سدھارا سہیل
اُفق میں اُدھر جا چھپا آفتاب — اِدھر چھپ گیا ماہِ پارا سہیل

جو ہجری میں کی فکرِ تاریخ سال — تو ہاتف نے کر کے اشارا سہیل
بتائی تری قبر اور یہ کہا — چھپا ہے یہ روشن ستارا سہیل

۱۳ ۸ ۶۴

مسیحا نے بھی چرخ سے دی صدا
چھپا ہائے رخشاں ستارا سہیل

۱۹ ۶ ۴۵

قطعۂ تاریخ مرمت خانقاہ منعمی ابوالعلائی گیا

فقیروں کو نہیں گو مال و دولت کی فراوانی
مگر جنسِ توکل کی یہاں رہتی ہے ارزانی
شکستہ کر دیا تھا کہنگی نے اس عمارت کو
مرمت کی بظاہر سب کو لاحق تھی پریشانی
مگر چند اہلِ ہمت ہو گئے کچھ ایسے آمادہ
خصوصاً ان میں شیخ عبدِ رحمٰن فضلِ رحمانی
بقدرِ مقدرت خود بھی دیا اوروں سے دلوایا
غرض حل کر دیا اس کارِ مشکل کو بہ آسانی
جزائے خیر دے دنیا میں رب العٰلمین سب کو
قیامت میں ہو سر پر سایہ افگن ظلِ سبحانی

سنِ تعمیر کی تجھ کو اگر ہے جستجو بسمل
تو لکھدے سے ہے یہ ایوان عطائے فیضِ روحانی
۱۳ ھ ۵۳

قطعہ تاریخ ولادت فرزند ارجمند مولوی محمد یعقوب صاحب کورٹ انسپکٹر پولیس (پرلیا)

للہ الحمد دریں ماہ مبارک شوال — مہ جمالے بہ حرم خانۂ یعقوب درآمد
قاصدے آمدہ در پرلیا از حاجی پور — مژدہ داد کہ فرزندِ خوش اسلوب آمد
دلِ یعقوب ازیں مژدہ جاں بخش شگفت — لختِ دل نورِ نظر شاہدِ مطلوب آمد
شاد و خرم ہمہ گشتند عزیز و احباب — در گیا نیز چوں ایں مژدہ محبوب آمد
بسمل خیر طلب سالِ ولادت بنوشت
ہمچو مہ یوسفے در خانۂ یعقوب آمد
۱۳ ھ ۵۸

قطعہ تاریخ انتقال جناب شاہ سیدہ حسین الدین احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ منعمی ابو العلائی

حسرتا شاہ حسین الدین احمد حسرتا — رخت ازیں دنیائے فانی جانبِ عقبیٰ بست

روز شنبه هیژده[۱۸] بد از جمادِ آخری — وقت نه ساعت ز پیش رفته عمرش گست

بسملِ خسته ز هاتف جست چون سالِ وصال

گفت - بُد شاه حسین الدین احمد حق پرست

۱۳۵۸ھ

قطعهٔ تاریخ رحلت حضرت مولانا مولوی خیر الدین صاحب گیاوی نور اللہ مرقدہٗ

چو مولانائے خیر الدین ہیہات — سوئے دارِ بقا شد "اَنا للہ"

جہاں تاریک شد از انتقالش — بخلق افتاد شورِ نالہ و آہ

سراپا پیکرِ علم و عمل بود — توکل پیشہ و مردِ حق آگاہ

بہ تعلیم حدیث و درسِ تنزیل — ہمہ اوقات بودش شغلِ دلخواہ

خدا رحمت کند بر روحِ پاکش — بود دار السلامش خوش گذرگاہ

روانش از تنِ خاکی جدا شد — نہم ماہ رجب نصف شبانگاہ

چو پرسد کس ز سالِ ارتحالش

بگو بسملؔ - وفات خیر دیں آہ

۱۳۶۷ھ

تاریخ وفات اہلیہ مخلصی سید جنت حسین صاحب نشتر گھالوی محلہ شمالی

حیات انسان کی ہے نقش بر آب — نہیں آئی ہوئی ٹلتی کسی کی
شریک زندگی جنت کی ہیہات — خدا بخشے عجب وہ جنتی تھی
یہ کہہ دیجے سر اندیشہ بسمل — درِ جنت سے وہ جنت میں پہنچی

۱۳۶۰ھ

قطعہ تاریخ وفات جناب مولانا شاہ سید صبغۃ اللہ صاحب ہزاروی ثم الشاہجہانپوری

حیف! شاہ صبغۃ اللہ صوفی قدسی صفات — فیض روحانی سے جنکے بہرہ ور تھا اک جہاں
چاردہ (۱۴) شعبان، شبِ جمعہ، بہنگام عشا — اس جہاں سے ہو گئے راہی سوئے دارِ جناں
مولد و مسکن ہزارہ صوبۂ سرحد میں تھا — آب و دانہ کی کشش لائی سوئے ہندوستاں
شاہجہانپور آپ آکر ہو گئے مسکن گزین — بیعت و تبلیغ شغلِ زندگی تھا جاوداں
خاک مرقد کھینچ کر لے آئی یوپی سے بہار — نیم چک کی تھا مقدر میں گنج شائگاں
چلتے چلتے قلب کی حرکت ہوئی بند ایکبار — دیکھتے ہی دیکھتے رخصت ہوئی روح رواں
با وضو ملکر مریدوں نے دیا غسل و کفن — جسم خاکی کو کیا پھر خاک کے اندر نہاں

۵ نیم چک بیلا ریلوے اسٹیشن سے پورب ایک بستی ہے جہاں وصال اور تدفین ہوئی۔

بے سر اندیشہ بسمل سال تاریخ وفات

لکھدو۔ ہیں وہ داخلِ ایوانِ جنت بیگماں

۱۳ھ ۵۴

قطعہ تاریخ وفات حضرت سیدہ شاہ عبدالرحیم صاحب نور اللہ مرقدہٗ موراعلی ساداتِ مانپوری

حسب فرمائش سیدہ شاہ فیاض احمد صاحب مانپوری

شنیدم کہ بود اندریں مانپور
یکے سید شاہ عبدالرحیم

بزرگے صفا کیش و فرخ نہاد
نہادہ قدم در رہِ مستقیم

دریں بقعہ ہستند اولادِ او
ز سادات باشندگانِ قدیم

چو دورش بعمر طبیعی رسید
قضا پیش آمد بر ہم قدیم

فزوں ہشت ۱۸ بردہ ز شوال بود
شد آں مرد کامل بخلد نعیم

بروز سہ شنبہ بوقت سعید
شدہ روح پاکش بجنت مقیم

کشیدہ سر آہ بسمل! ز سال

بگو۔ رحلت شاہ عبدالرحیم

۱۲ھ ۷۸

ختم شد

قطعاتِ تاریخ ترتیب و طباعت

قطعات تاریخ

از مولنا حکیم سید شاہ محمد الیاس صاحب یاسؔ بہاری

کہوں کیا "ساغر و مینا" کی مستی
کیا ہے بیخود اسکی سرخوشی نے
سراپا رنگ میں ڈوبا وہ آخر
جو اس محفل میں آیا جام پینے
خرابات دلِ بسمل۔ ہے تاریخ
کہا اے یاسؔ مجھ سے یہ کسی نے

۱۳۷۰ھجری

وَلَہٗ

جس نے دیکھا وہ ہو گیا بیخود
حبذا کیف "ساغر و مینا"
جبکہ بسمل ہے ساقی محفل
اسکی سرمستیوں کا کیا کہنا
نشہ پرور ہر ایک بیت اِسکی
اس کا ہر نقطہ رشحہ صہبا
سرخوشی بخش ہے جو ہر مصرعہ
شعر تر، روحِ جام ہوشربا
یاسؔ سرشار نے لکھی تاریخ
کیفِ میخانہ سرورِ فزا

۱۳۷۰ھجری

از بلبل بہار جناب سریر کابری مینائی

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر بہم

چھپ کے نکلا ہی بڑی شان سی بازاروں میں
انتخابِ سخنِ بسملِ اعجاز رقم

کیوں نہ ہو موجۂ کوثر سے دھلی انکی زباں
مدتِ مشقِ سخن، نصف صدی سی نہیں کم

میرے صوبہ میں ہی ذات آج غنیمت اِنکی
مانتے ہیں انھیں استاد سب ارباب قلم

مل گیا مصرعۂ تاریخ مگر دیہ سریر
کہدیا ساغر و مینا ہے مے ساغرِ جم

۱۳ ۶۸ ھجری

وَلہٗ

زہے کیف کلامِ بسمل پاکیزہ گفتار کے
بوجد آور حسن انتخابِ ساغر و مینا

ز بزمِ میکشاں تا حلقۂ بزمِ سخنداناں — منور شد ز عکسِ آفتابِ ساغر و مینا

بہر ترکیبِ مستانِ سخن رقصند می نازند — زمانہ گشت بدمستِ شرابِ ساغر و مینا

بہر تخییلِ نادر شوخیِ مضمونِ رنگینش — بروئے میکشاں بکشادہ بابِ ساغر و مینا

سرِ تو آمد صدائے غیب بہرِ سالِ در گوشم

کہ برجستہ بگو۔ کہنہ شرابِ ساغر و مینا

۱۹۶۵۱

لمعۂ قطعاتِ تاریخیہ — از رقمِ غلام رسول قوس ندوی

۱۹۶۵۱ — ۱۹۶۵۱

از جناب مولینا قوس حمزہ پوری

چھپ گیا اب نامیِ گلدستہ رباعیات کا

۱۳۸۵ھ — ۶۹

طبعِ مستعمل بدرِ علم و مہرِ عالم تاب ہے

۱۳۸۵ھ — ۶۹

سالِ ترتیبِ رباعیاتِ زیبِ انجمن

۱۹۶۵۰

ہر رباعی ماہِ تابندہ گلِ شاداب ہے

۱۳۸۵ھ — ۶۹

وَلَہٗ

رباعیات عدیم المثال بسمل با | نمونۂ ادبی ہست و اصیل و فریع
بگفت ہاتف غیبی سنِ اشاعت قیس | ہزار و سہ صد و ہفتاد زیب بالِ شیوع

۱۳ ھ ۷۰

از جناب مولانا انجم مانپوری گیاوی

دیکھ کر بسمل کا مطبوعہ کلام | کی پئے تاریخ انجم فکر جب
بے سر اندیشہ ہاتف بول اٹھا | کہہ دو بسمل کا کلام انتخب

۱۳ ھ ۷۰

از جناب نواب محمد نقی صاحب قمر گیاوی

بسمل کی یہ بیاض ریاض کمال ہے | ہمیں ہیں باغ فکر کے تازہ گل مراد
تاریخ سن کے کہتے ہیں اہل دل قمر | قربان جاؤں نسخۂ بسمل ہے طبع زاد

۱۳ ۶۸

وَلَہٗ

وقت کی ہیں یہ ترانے پُر درد | اس میں ہر نظم دوائے دل ہے
ہے مسیحی میں قمر یہ تاریخ | لحن بلبلِ سخن بسمل ہے

۱۹ ۴ ۸

از مصور جذبات جناب شمس گیاوی اڈیٹر ہمزاد

خدا کا ہے شکر چھپ گئیں وہ رباعیات لطیف و دلکش
رہے گا جس کے سبب سے زندہ ہمیشہ دنیا میں نام بسمل
جو شمس ہو فکر سالِ تاریخ طبع نظم گہر فشاں کی
تو آپ کہدیجئے - ہوا طبع انتخاب کلام بسمل

۱۳۷۰ھ

از جناب مشفق شیر گھاٹوی

مولوی بسمل اخی محترم — شاعری میں جو ہیں آپ اپنی نظیر
ہو یہ مجموعہ انہیں کی یادگار — بمثال و بے عدیل و بے نظیر
مجتمع ہیں جملہ اصناف سخن — صورت آئینہ روشن ضمیر
ہر سخن تازہ بتازہ نو بہ نو — نظم و قطعات و رباعی کثیر
ساغر و مینا ہی موزوں نام بھی — مدح خواں دل سے ہی ہر برنا و پیر
ہجری و سالِ مسیحی ساتھ ساتھ — ایک مصرعہ میں ہی مشفق بے نظیر
کیوں نہ خوش ہو کر کہوں بیساختہ — گنج خمخانہ ہی باغ دلپذیر

۱۳۶۹ھ ۱۹۴۹ء

از جناب مانی القادری امجهری

کلامِ بسمل پاکیزہ تخئیل — پیامِ لذتِ دردِ نہاں ہے
یہ کہدو مصرعۂ تاریخ مانی — شرابِ ساغر و مینائے جاں ہے

۱۹۵۰ء

از جناب مولوی سید عبد العزیز صاحب شوق شیر گھاٹوی

بھائی بسمل کا یہ کلام لطیف — شوق شائع ہوا بصد زینت
ہیں یہ تلمیذ خواجہ عشرت کے — لکھدو تاریخ گلشن عشرت

۱۳۷۰ھ

از محمد زین العابدین احمر سلنہاروی خلف اکبر مصنف

ہوا چھپ کے تیار باآب و تاب — یہ گلدستہ بسملِ اہلِ فن
مضامیں شگفتہ ہیں یا باغ ہیں — کھلے ہیں گل و لالہ و یاسمن
جو سالِ طباعت کی احمر ہے فکر
تو لکھدو۔ خیابانِ شعر و سخن

۱۹۵۰ء

از شمس العارفین عارف سُنہاروی

خلعت اوسط مصنف

خوب گلدستۂ سخن یہ چھپا — جس کا ہر صفحہ رشکِ گلشن ہے
کوئی پوچھے جو طبع کی تاریخ — کہہ دو عارف "بیاض روشن ہے"

۱۳۶۹ھ

از حافظ نظام الدین صاحب نظامی خوشنویس

ساغر و مینا ہوا اب یار چھپ کر واہ واہ
جس کے شائق دیر سے تھے اہل علم و اہل فن
کی نظامی میں نے جب سالِ طباعت کی تلاش
بولا ہاتف لکھ دو۔ ہے یہ اخترِ اوجِ سخن

۶۱۹ ۵۱

معذرت

بعض احباب نے ازراہ مہربانی چار چار پانچ پانچ تاریخی قطعات عنایت فرمائے۔ ہم ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے نہایت ادب سے معذرت خواہ ہیں کہ مجموعہ کی تنگ دامانی کے باعث صرف دو پر اکتفا کیا گیا۔ بسمل